PRINTED BOOK

سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء / رمضان المبارک تا ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

''امام احمد رضا کو جو علمی اور دینی کارنامہ امام کے منصب پر فائز کرتا ہے وہ یہ کہ انہوں نے دینِ مبین اور سوادِ اعظم کا دفاع ہی نہیں کیا بلکہ اپنے دور اور مستقبل کے لیے انہیں نئی فکری توانائی دی، اجتہاد کیا اور بتایا کہ وہ محض روایت پر چلنے والے مسلمان یا مولوی ہی نہیں بلکہ وہ ایسے عالم ہیں جن کے مطالعہ میں قدیم و جدید تمام کتب رہیں اور جس نے ان کا صرف مطالعہ ہی نہیں کیا۔ بلکہ ان کے پسِ پشت کارفرما فکر تک رسائی بھی حاصل کی اور دورِ حاضر کے مسائل کو پیشِ نظر رکھ کر اجتہاد کے دروازے کھول دیے۔''

(ڈاکٹر سید جمال الدین از: آئینہ امام احمد رضا، ص: ۱۰۹)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی ۔۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

R.N.I. Registration No.: 71248/99

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء جلد ۱۲ شمارہ ۴ (۴۶) رمضان المبارک تا ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

مدیر: محمد زبیر قادری (موبائل: 98679 34085)

منیجر: محمد اسحٰق برکاتی (موبائل: 93239 54522)

Distributed in Pakistan By :

Markazi Majlis-e-Reza

P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,
Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :

SHEHZAD ALI

P.O. Box: 51, Lurnea 2170,
NSW, AUSTRALIA

Correspondence Address: رابطہ کا پتہ:

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

Office Address: آفس کا پتہ:

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza.net

پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008 سے چھپوا کر دفتر 167 ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400 008 سے شائع کیا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

متوسلین رضا

ضروری اعلان

ان شاء اللہ عزوجل افکار رضا کا ۵۰ واں شمارہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء) خاص شمارہ ہوگا۔ چونکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کی صحیح ترجمانی تحریکِ فکرِ رضا کا مشن ہے اس لیے یہ خاص شمارہ "فکرِ رضا" کے موضوع پر مضامین پر مشتمل ہوگا۔ فکرِ رضا کیا ہے؟، عصرِ حاضر میں امام احمد رضا کے افکار و نظریات کی اہمیت و ضرورت، وغیرہ مختلف عناوین پر علما و محققین سے درخواست ہے کہ اپنی نگارشات بھیج کر ممنون فرمائیں۔ (ادارہ)

نعت اقدس (چہار در یک)

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی

نوٹ: اس نعت کو چار طرح سے پڑھا جائے۔ ۱ پورے پورے مصرعے پڑھے جائیں۔ ۲ مصرع کا پہلا حصّہ بریکٹ میں درج الفاظ کے ساتھ پڑھا جائے۔ ۳ بریکٹ میں درج الفاظ کے ساتھ مصرع کا آخری حصّہ پڑھا جائے۔ ۴ ہر مصرع سے صرف بریکٹ میں درج الفاظ پڑھے جائیں۔ (صابر)

رنجور ہوں (پھرتا ہوں مارا در بدر) شاہِ اُمم
مغموم ہوں (مجروح ہیں قلب و جگر) شاہِ اُمم

سُن لیجیے (ہے التجا شام و سحر) شاہِ اُمم
بے تاب کا (ہو کاش طیبہ کا سفر) شاہِ اُمم

بدنام ہوں (الزام ہے بنیاد پر) شاہِ اُمم
گویا کہ اب (لپٹے ہیں دامن کو شرر) شاہِ اُمم

بہرِ طلب (در پر کھڑا ہے بے نوا) پیارے نبی
بہرِ خدا (ہو اس طرف بھی اک نظر) شاہِ اُمم

اس در پہ بھی (حاجت براری گر نہ ہو) تقدیر سے
دیجیے بتا (در چھوڑ کر جاؤں کدھر) شاہِ اُمم

فریاد ہے (یا رحمۃ اللعٰلمین) فریاد ہے
للہ اب (رحمت ہو میرے حال پر) شاہِ اُمم

ہے آرزو (طیبہ میں موت آئے مجھے) آقائے من
جس دم ہٹوں (روضے کی جالی چوم کر) شاہِ اُمم

افسوس ہے (کیا ہوگیا ہے آدمی) لیجے خبر
چشمِ کرم (یا حضرتِ خیر البشر) شاہِ اُمم

مجبور ہے (صابرؔ پہ آقا ہو کرم) کیجے طلب
ہے جاں بلب (بلوایئے طیبہ مگر) شاہِ اُمم

راحتِ قبر

ترتیب: خلیل احمد رانا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ صلی اللہ علیٰ حبیبہ سیّدنا محمد و آلہٖ وسلم

اللہ تعالیٰ عزوجل نے قرآن حکیم میں فرمایا کُل نفسٍ ذائقۃُ الموت یعنی ہر جان دار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، موت کے بعد ہر انسان نے قبر میں اکیلے جانا ہے۔ ذرا اندھیری قبر کا تصور کریں کہ ایک دن بے کسی کی حالت میں وہاں لیٹے ہوں گے، وحشت و پریشانی چاروں طرف سے گھیر لے گی، نہ گھر والے پاس ہوں گے نہ دوست احباب، بڑی غربت کا عالم ہوگا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

قبر ہر روز کلام کرتی ہے کہ مَیں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مَیں کیڑوں کا گھر ہوں، اسی حدیث کے آخر میں فرمایا قبر تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کا گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

چنانچہ ہر مومن مرد و عورت کے دل میں کبھی نہ کبھی تو یہ خیال ضرور آتا ہوگا کہ وحشت اور عذابِ قبر سے کسی طرح بچ جائے اور اس کی قبر جنت کا باغ بن جائے۔

احقر راقم الحروف نے اس سلسلہ میں بہت آسان اوراد و وظائف و اعمال مختلف کتابوں سے اکٹھے کیے ہیں، اب انہیں افادۂ عام کی خاطر شائع کیا جارہا ہے تاکہ مجھ ناچیز روسیاہ کے لیے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔ اے اللہ عزوجل میری اس سعی کو جانِ جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ میں قبول فرما اور اس کا اجر جمیع اُمتِ مسلمہ اور خصوصاً میرے والدین مرحومین کو عطا فرما۔

آمین بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ. [۱]

مونسِ قبر:

حافظ الحدیث امام علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الدرر الکامنہ" میں تحریر فرماتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن سورۃ الکھف پڑھنے والا عذابِ قبر اور دجال کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ [۲]

پھر تحریر فرماتے ہیں کہ جب علامہ مغلوطی رحمۃ اللہ علیہ کا مصر میں انتقال ہوا تو اس وقت کے جلیل القدر مفسّر و محدّث اور ولیِ کامل حضرت علامہ ابن دقیق العید مالکی رحمۃ اللہ علیہ [۳] نے ارشاد فرمایا:

"مَیں نے آج رات مفلوطی کو خواب میں دیکھا اور ان سے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب تم مجھے دفن کر کے چلے گئے تو ایک بڑا کتا بھیڑیئے کی طرح مجھے ڈرانے لگا، اتنے میں ایک حسین وجمیل شخص قبر میں نمودار ہوا اور اس کتے کو مار بھگایا اور مجھے تسلی دینے لگا۔ مَیں نے ان سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا مَیں سورۂ کہف کا ثواب ہوں جو تو ہر جمعہ پڑھا کرتا تھا۔[۴]

حضرت امام ابی محمد عبداللہ یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ [۵] فرماتے ہیں کہ ملکِ یمن کے شہروں میں مَیں نے بعض صالحین سے سنا ہے کہ وہ ایک جنازہ کے ہمراہ گئے، جب میت کو دفن کر کے لوگ واپس ہونے لگے تو قبر میں ایک بڑے دھماکے کی آواز سنائی دی اور قبر میں سے ایک کالے رنگ کا کتا باہر نکل کر بھاگا۔ ایک بڑے صالح آدمی وہیں موجود تھے، انہوں نے اس کتے سے کہا تجھے خرابی ہو تو کیا چیز ہے؟ وہ بولا مَیں اس میت کا بُرا عمل ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ قبر میں سے جو آواز آئی تھی یہ چوٹ تجھے لگی تھی یا اس میت کو؟ اس نے کہا یہ مار مجھے پڑی تھی اور یہ اس وجہ سے کہ اس میت کے پاس سورۃ یٰس اور دوسری سورتیں تھیں، جن کا یہ ورد رکھتا تھا وہ آگئیں اور میرے اور اس میت کے درمیان حائل ہوگئیں اور مجھے مار بھگایا۔[۶]

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ [۷] سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: سورۃ سجدہ (الم تنزیل، پ۲۱) اپنی تلاوت ونگہداشت اور اس کے مطابق عمل کرنے والے کی طرف سے قبر میں پڑھنے والے کا دفاع کرے گی، وہ کہے گی کہ اے اللہ! مَیں تیری کتاب کا حصّہ ہوں تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور اگر مَیں تیری کتاب کا حصہ نہیں تو مجھے اس سے مٹا دے۔ یہ سورہ پرندہ کی صورت میں ہوگی، یہ سورہ سجدہ پڑھنے والے پر اپنے پَر پھیلا دے گی اور اس کی سفارش کر کے اس کو عذابِ قبر سے بچائے گی۔[۸]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ سجدہ اور سورۃ مُلک پڑھے بغیر رات کو آرام نہیں فرماتے تھے۔[9]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ نصب کیا، لیکن انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے۔ اسی اثنا میں اس قبر سے ایک انسان کے سورۃ مُلک (پ ۲۹) پڑھنے کی آواز آنے لگی۔ وہ صحابی جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ سنایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ سورۃ (عذاب سے) بچانے والی اور نجات دہندہ ہے، اپنے پڑھنے والے کو عذابِ الٰہی سے نجات دے گی۔[۱۰]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ کی ایک ایسی سورت ہے جس میں صرف تیس آیتیں ہیں، اس نے ایک شخص کی ایسی شفاعت کی کہ اس کی بخشش ہوگئی، یہ ہے تبارک الذی بیدہ الملک۔[۱۱]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کی ایک سورۃ

نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے ایسی جنگ کی کہ اِسے جنت میں داخل کردیا، یہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک۔ [۱۲]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ تبارک الذی عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔ [۱۳]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری خواہش ہے کہ ''تبارک الذی بیدہ الملک'' ہر مومن کے دل میں رہے۔ [۱۴]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسی حدیث کا تحفہ نہ دوں جس سے تم خوش ہوجاؤ، اس نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک تم خود بھی پڑھو اور اپنے اہل و عیال کو اور اپنے گھر کے تمام بچوں اور پڑوسیوں کو اس کی تعلیم دو، کیونکہ یہ سورت نجات دینے والی ہے اور قیامت کے دن اپنے رب کے پاس اپنے پڑھنے والے کے لیے مجادلہ (جھگڑا) کرے گی اور آتشِ جہنم سے بچانے کا مطالبہ کرے گی اور اس کے ذریعے اس کا پڑھنے والا عذابِ قبر سے نجات پائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میری خواہش ہے کہ یہ سورت میری اُمت کے ہر مومن کے دل میں رہے۔ [۱۵]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ قبر میں آدمی کے پاس عذاب کے فرشتے پہنچیں گے، اس کے پاؤں کی طرف سے آئیں گے تو اس کے پاؤں کہیں گے کہ ہماری طرف سے تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں، یہ شخص ہم پر سورۂ ملک پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا تھا، پھر وہ اس کے سینے کی طرف سے آئیں گے تو سینہ کہے گا میری طرف سے بھی کوئی راستہ نہیں، کیوں کہ اس نے اپنے اندر مجھے محفوظ کر رکھا تھا، پھر وہ اس کے سر کی طرف سے آئیں گے تو سر بھی کہے گا کہ میری جانب سے بھی کوئی راستہ نہیں کیونکہ وہ مجھے پڑھتا تھا، اس طرح یہ سورۂ ''مانعہ'' (بچانے والی) ہے عذابِ قبر سے۔ [۱۶]

حضرت عمر بن مُرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں یہ کہا جاتا تھا کہ قرآن کی ایک سورۃ ہے جو قبر میں اپنی تلاوت و اہتمام کرنے والے کی طرف سے جنگ کرے گی، اس میں تیس آیتیں ہیں، لوگوں نے دیکھا تو سورۃ ''تبارک الذی'' کو اس کے مطابق پایا۔ [۱۷]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا، ایک شخص کو دیکھا اس کا انتقال ہوا، وہ بڑا گنہگار تھا، اپنی جان پر بڑی زیادتی کرنے والا تھا، قبر میں جب بھی عذاب اس کے پاؤں کی طرف سے آتا یا اس کے سر کی طرف سے آتا تو وہ سورۃ جس میں لفظ ''طیر'' ہے (سورۃ ملک کی جس آیت میں لفظ ''طیر'' ہے وہ یہ ہے اولم یروا الی الطیر فوقھم صفٰت ویقبضن ما یمسکھن الا الرحمٰن، آیت ۱۹) متوجہ ہوئی اور اس کے دفاع میں لڑی کہ وہ میری

نگہداشت و پابندی کرتا تھا، میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو ہمیشہ میری نگہداشت کرے گا، اس کو وہ عذاب نہ دے گا، اس کے باعث عذاب اس کے پاس سے جلد ہی چلا جائے گا، (اسی اہمیت کے پیش نظر) مہاجرین و انصار اسے سیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ گھاٹے میں ہے وہ جو اسے نہ سیکھے، یہ سورۃ ملک ہے۔[۱۸]

(اگر کوئی بھائی سورۃ ملک کی ایک آیت روزانہ یاد کرے تو تیس دن یعنی ایک مہینہ میں پوری سورت یاد ہو جائے گی، اور اگر ایک مہینہ روزانہ مکمل سورت پڑھے تو علیحدہ یاد کرنے کی بھی ضرورت نہیں، خود بخود پوری سورت یاد ہو جائے گی)

خواص سورۃ القدر سے یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہے، فرمایا جو شخص کسی میت کے دفن کے وقت اُس قبر کی مٹی اپنے ہاتھ میں لے کر سات مرتبہ سورۃ "انا انزلنا" پڑھے اور اس کو میت کے ساتھ اُس کے کفن میں یا قبر میں رکھ دے تو میت عذاب قبر سے امان پائے گی۔ شیخ شرابلسی نے اس کے متعلق فرمایا کہ اگر قبر کسی دوسری قبر سے ملحقہ کھودی گئی ہو تو وہ مٹی جس پر سورۃ قدر پڑھی جائے وہ غیر قبر سے ہونا بہتر ہے یعنی پھر ایسی جگہ سے مٹی لی جائے جہاں کوئی قبر نہ ہو تا کہ دونوں قبروں کی مٹی مل جانے سے شبہ نہ رہے۔[۱۹]

ابن مندہ نے ابو کاہل سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو کاہل! خوب جان لو کہ جو لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے باز رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو لازمی قبر کی تکلیف سے محفوظ رکھے گا۔[۲۰]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مریض کی عیادت کرنے والے کو کیا اجر ملے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے لیے قبر میں دو فرشتے مقرر کیے جائیں گے جو قبر میں ہر روز اس کی عیادت کریں گے حتیٰ کہ قیامت آجائے۔[۲۱]

دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب عالم دین مرجاتا ہے تو اس کا علم قیامت تک قبر میں اس کو مانوس کرنے کے لیے متشکل ہو کر رہتا ہے اور زمین کے کیڑوں کو دفع کرتا ہے۔[۲۲]

دیلمی [۲۳] اور خطیب [۲۴] نے الرواۃ میں مالک سے، ابونعیم [۲۵] و ابن عبداللہ نے تمہید میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! جس نے ہر دن میں سو مرتبہ لا الہ الا اللّٰہ المَلِکُ الحَقُّ المُبِین پڑھا تو وہ فقر و فاقہ سے محفوظ رہے گا، قبر میں وحشت نہ ہوگی اور جنت کے دروازے اس پر کھل جائیں گے۔[۲۶]

امام فقیہ ابن عجیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس میت کے کفن پر یہ دُعا لکھی جائے گی، اللہ تعالیٰ

قیامت تک اُس سے عذاب اُٹھالے گا، دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ یَا عَالِمَ السِّرِّ یَا عَظِیْمَ الْخَطَرِ یَا خَالِقَ الْبَشَرِ یَا مُوْقِعَ الظَّفَرِ یَا مَعْرُوْفَ الْاَثَرِ ذَا الطَّوْلِ وَالْمَنِّ یَا کَاشِفَ الضُّرِّ وَالْمِحَنِ یَا اِلٰهَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فَرِّجْ عَنِّیْ هُمُوْمِیْ وَاکْشِفْ عَنِّیْ غُمُوْمِیْ وَصَلِّ اللّٰهُمَّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ سَلِّمْ.

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے غیب کے جاننے والے، عظیم الشان والے، انسان کو پیدا کرنے والے، کامیابی عطا فرمانے والے، معروف نشان والے، اے تکلیف اور مشقت دور فرمانے والے، اے اولین و آخرین کے معبود، میری پریشانیاں دور فرمادے، میرے غم دور کردے اور اے اللہ ہمارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔ [۲۷]

حضرت خواجہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا اور بہت سے مشائخ کبار بھی موجود تھے کہ خوف قبر پر گفتگو چھڑ گئی۔ مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو شخص یہ اَوراد اپنی کتاب میں لکھ لے اور ان کا ورد رکھے، وہ قبر کے عذاب سے مامون رہے گا، سورۂ واقعہ، سورۂ مزمل، سورۂ والشمس، سورۂ واللیل، سورۂ الم نشرح۔ [۲۸]

فشار قبر (قبر کے دبانے سے محفوظ رہنے کے اعمال):

جب میت قبر میں دفن کی جاتی ہے تو سب سے پہلے جو بات اُسے پیش آتی ہے وہ قبر کا دبانا ہے، قبر کے دبانے سے نہ مومن بچتا ہے نہ کافر، نہ نیک نہ بد، نہ بچہ نہ جوان، فرق صرف یہ ہے کہ کافر سخت دباؤ میں پکڑا جاتا ہے اور مومن کے لیے دباؤ ایسا ہوتا ہے جس طرح ماں اپنے بچے کو پیار سے دباتی ہے۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ضغطہٗ (یعنی قبر کی تنگی) کے واسطے بھی کوئی چیز ہے؟ فرمایا ہاں! جو (ہر) شب جمعہ میں دو رکعت نماز پڑھے گا اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اذا زلزلت الارض (پ ۳۰) پندرہ ۱۵ بار پڑھے گا وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔ [۲۹]

ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے مرض الموت میں "قل ھو اللہ احد" پڑھ لی وہ قبر کے دبانے سے محفوظ ہوا اور ملائکہ اُسے اپنے پَروں پر اُٹھا کر پل صراط سے پار کرادیں گے۔ [۳۰]

فتنۂ قبر:

قبر میں جملہ معاملات جو میت کے ساتھ پیش آتے ہیں اسے فتنۂ قبر کہتے ہیں، انہی میں سے ایک

مرحلہ سوالاتِ منکر نکیر کا بھی ہے۔ جب میت قبر میں دفن کردی جاتی ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو دو فرشتے اس کا امتحان لینے آتے ہیں جنہیں منکر نکیر کہتے ہیں۔ ان فرشتوں کی صورت نہایت ڈراؤنی ہوتی ہے، رنگ سیاہ، بال اس قدر لمبے کہ پیروں تک گھسٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، نیلی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہوئی اور تانبے کی طرح سُرخ، سانس آگ کے شعلوں کی طرح، بادل کی گرج کی مانند آواز، دانت منہ سے باہر نکلے ہوئے جیسے بیل کے سینگ اور اس قدر لمبے کہ زمین کو انہی دانتوں سے کھود کھود کر یہ فرشتے میت تک پہنچتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں لوہے کے گرز ہوتے ہیں، ایک ایک گرز اتنا وزنی ہوتا ہے کہ مٹی کے میدان میں جس قدر لوگ جمع ہوتے ہیں، وہ سب مل کر اُسے اُٹھانے کی کوشش کریں تو نہ اُٹھا سکیں، باوجود اس کے اُن کے ہاتھوں میں ایسے ہوتے ہیں جیسے انسان کے ہاتھ میں پَر، اس مہیب صورت میں منکر نکیر نمودار ہوتے ہیں۔

فتنۂ قبر سے محفوظ رہنے کے اعمال:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے سورۂ ملک ہر رات تلاوت کی وہ فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا اور جو پابندی سے (سورۂ یٰسٓ کی آیت) انی امنت بربکم فاسمعون پڑھتا رہا تو اس پر منکر نکیر کا سوال آسان ہوجائے گا، حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت ہے، (ایک دوسری روایت سے) مروی ہے کہ جو شخص ہر رات سورۃ تبارک الذی پڑھے گا، اس سے منکر نکیر سوال نہ کریں گے۔[۳۱]

آیت الکرسی میت کے کفن پر سر کے قریب، درمیان اور پاؤں کے پاس لکھیں تو وہ میت عذاب سے محفوظ رہتی ہے اور منکر نکیر نرمی سے پیش آتے ہیں۔[۳۲]

حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک شخص نے کہا کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں اگر اسے کروگے تو منکر نکیر سے خوف نہ کھاؤ گے، شب جمعہ میں دو رکعت نماز ادا کیا کرو، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار اور سورہ اخلاص پچاس بار پڑھو۔[۳۳]

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ (حدیثیہ) میں ایک تسبیح کی نسبت فرماتے ہیں کہ اس کی بڑی فضیلت اور برکت ہے، جو کوئی اسے لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے اندر رکھ دے تو اُسے عذابِ قبر نہ ہوگا اور منکر نکیر اس تک نہ پہنچیں گے، تسبیح یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُبْحٰنَ مَنْ هُوَ بِالْجَلَالِ مُوَحَّدٌ وَبِالتَّوْحِيْدِ مَعْرُوْفٌ وَبِالْمَعَارِفِ مَوْصُوْفٌ وَبِالصِّفَةِ عَلٰى لِسَانِ كُلِّ قَائِلٍ رَبٌّ وَلِرُّبُوْبِيَّةِ لِلْعَالَمِ قَاهِرٌ وَبِالْقَهْرِ لِلْعَالَمِ جَبَّارٌ

وَبِالْجَبَرُوْتِ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ وَبِالْحِلْمِ وَالْعِلْمِ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ سُبْحٰنَهٗ كَمَا يَقُوْلُوْنَ وَسُبْحٰنَهٗ كَمَا هُمْ يَقُوْلُوْنَ تَسْبِيْحًا تَخْشَعُ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَلِمَنْ عَلَيْهَا وَيَحْمَدُنِيْ مَنْ حَوْلَ عَرْشِيْ اِسْمِيَ اللّٰهُ وَاَنَا اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ.

ترجمہ: پاک ہے وہ جسے جلال میں واحد مانا گیا ہے، جو توحید میں معروف ہے، جو تمام علوم سے موصوف ہے، ہر قائل کی زبان پر اس کی صفتِ ربّ ہے، جو ربوبیت کے ساتھ تمام جہان پر غالب ہے، جس نے جبراً تمام جہان کو مغلوب کیا، وہ صفت جبر و قہر کے ساتھ علم اور حلم والا ہے، اور حلم و علم کی صفت کے ساتھ رؤف و رحیم ہے، وہ پاک ہے جیسے کہ اس کے بندے کہتے ہیں، اور وہ پاک ہے جیسے کہ وہ بندے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، تمام آسمان اور زمین اور ان پر رہنے والے اس کے تابع فرمان ہیں (وہ فرماتا ہے) میرے عرش کے گرد طواف کرنے والے فرشتے میری تعریف کرتے ہیں، میرا نام اللہ ہے اور مَیں بہت جلد حساب لینے والا ہوں۔ [۳۴]

امام حکیم ترمذی سیدی محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ معاصر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پُر نور سید عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو یہ دُعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے تو اُسے عذابِ قبر نہ ہو اور نہ منکر نکیر نظر آئیں، وہ دُعا یہ ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ [۳۵]

امام فقیہ ابن عجیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دُعاے عہد نامہ لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اُسے منکر نکیر کے سوالات اور عذابِ قبر سے امان دے گا۔

امام صفار رحمۃ اللہ علیہ [۳۶] نے ذکر فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بخش دے اور عذابِ قبر سے مامون فرمائے۔

دُرِ مختار میں ہے کہ میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اُس کی بخشش کی اُمید ہے، کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دیں، وصال کے بعد لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے تو حال پوچھنے پر فرمایا، جب مَیں قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے، جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی دیکھی تو کہا کہ تجھے عذابِ الٰہی سے امان ہے۔ [۳۷]

امام طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [۳۸] نے ان کلمات (عہد نامہ) کو اپنے کفن پر لکھنے کی وصیت فرمائی، وصیت کے مطابق (یہ کلمات) اُن کے کفن پر لکھے گئے۔ [۳۹]

دُعائے عہد نامہ

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَاِنَّکَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَاِنِّیْ اِنْ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا تُوَفِّیْنِیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ [۴۰]

ترجمہ: ”اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار، پوشیدہ اور اعلانیہ جاننے والے، بے شک میں تجھ سے اس دنیا کی زندگی میں عہد کرتا ہوں کہ میں (صدق دل سے) اس پر گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو (اپنی ذات اور صفات میں) اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) تیرے بندے اور رسول ہیں، (یہ عہد) اس لیے (کرتا ہوں) کہ بے شک تو نے اگر مجھ کو میرے نفس (لمّارہ) کے حوالے کردیا تو (گویا) تو نے مجھے شر سے قریب کردیا اور خیر سے دور کردیا، (لہٰذا تو ایسا نہ کیجیو) اس لیے کہ میں تو تیری رحمت کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہیں کرتا اس لیے تو مجھ سے ایسا عہد کرلے جسے قیامت کے دن پورا کرے (کہ تو مجھے جنت میں داخل کر دیجیو) بے شک تو اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا“۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ سے مذکورہ بالا عہد و معاہدہ کرلے گا (اور اس پر قائم رہے گا) تو اللہ پاک قیامت کے دن اپنے (مقرب) فرشتوں سے فرمائیں گے کہ میرے اس بندے نے مجھ سے ایک عہد لیا ہے تم اس کو پورا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو (محض اپنے فضل و کرم سے) جنت میں داخل فرمادیں گے۔

(اس حدیث کے راوی) حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن (بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما) کو بتلایا کہ حضرت عوف (رضی اللہ عنہ) نے مجھے ایسی ایسی (یعنی مذکورہ بالا) حدیث سنائی ہے تو اس پر حضرت قاسم (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا (اس میں تعجب کی کیا بات ہے) ہمارے گھر کی تو ہر پردہ نشین (یعنی بالغ لڑکی) اپنے پردے (گھر میں) اس دُعا کو پڑھا کرتی ہے۔ [۴۱]

چند سعادت مند ایسے بھی ہیں جو قبر کے سوال و جواب سے محفوظ رہتے ہیں جن کا ذکر علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

شہید، ملکی سرحدوں کا محافظ، طاعون کی بیماری سے فوت ہونے والا، طاعون کے زمانہ میں فوت ہونے والا جب کہ وہ ثابت قدم رہا ہو، مسلمان کی فوت ہونے والی نابالغ اولاد، شب جمعہ یا جمعہ کے دن

فوت ہونے والا، ہر رات سورۃ مُلک اور سورۃ الم السجدہ کی تلاوت کرنے والا، مرض الموت میں سورۃ اخلاص پڑھنے والا۔ [۴۲]

چراغِ قبر:

جو شخص کثرت کے ساتھ ہمیشہ دُرود شریف پڑھتا ہے تو اس کی قبر اللہ تعالیٰ نور سے بھر دے گا۔ [۴۳]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے اللہ کی مسجد روشن کی تو اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن فرمائے گا اور جس نے مسجد میں خوشبو رکھی اللہ تعالیٰ جنت کی خوشبو سے اس کی قبر کو معطّر فرمائے گا۔ [۴۴]

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ [۴۵] نے کتاب التہجد میں سری بن مخلد سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تم کہیں سفر پر جاتے ہو تو کتنی تیاری کرتے ہو، تو قیامت کے سفر کی تیاری کا کیا عالم ہوگا، اے ابوذر میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں جو تم کو نفع دے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بتایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سخت کے موسم میں حشر کے لیے روزہ رکھو اور رات کی تاریکی میں دو رکعتیں پڑھو تا کہ قبر میں روشنی ہو۔ [۴۶]

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۶۱ھ) خلیفہ مجاز حضرت عارف باللہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ روشنی قبر کے لیے ہر روز نماز مغرب کے بعد دو رکعت ادا کرے، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ و اخلاص چھ بار اور معوذتین (سورۃ فلق اور سورۃ الناس) تین بار پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد کہے: اے اللہ! اس نماز کو میرے لیے قبر میں میرا مونس اور روشنی کا سبب بنا دے اور تمام مسلمانوں کے لیے، اے ارحم الراحمین۔ [۴۷]

حضرت سید السادات سید ناصر الدین محمود [۴۸] بن مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو ہر پیر کی رات یعنی اتوار اور سوموار کی درمیانی رات کو دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (سورہ آل عمران، آیت ۸۱) آخر تک آٹھ مرتبہ پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد سو بار یہ کلمات پڑھے یَا وَاهِبَ الْعَطَايَا، يَا غَافِرَ الْخَطَايَا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ اس کو عذابِ قبر سے نجات دے گا اور اس کی قبر کو روشن فرما دے گا۔ [۴۹]

راحتِ قبر:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْحَبِيْبِ الْعَالِي الْقَدْرِ الْعَظِيْمِ الْجَاهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ.

ترجمہ: اے اللہ دُرود سلامتی اور برکت عطا فرما اُمّی نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر

جو تیرا حبیب عالی قدر عظیم مرتبے والا ہے اور آپ کی آل اور صحابہ پر سلامتی عطا فرما۔

یہ صلوٰۃ العالی القدر ہے، حضرت شیخ احمد صاوی المالکی المصری رحمۃ اللہ علیہ نے "صلوٰۃ الدردیریہ" کی شرح میں اور علامہ محمد الامیر الصغیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کی رات کو اس دُرود شریف کو خواہ ایک ہی بار پڑھنا اپنے اوپر لازم قرار دے گا اُسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی لحد میں رکھیں گے اور سیدی شیخ احمد دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجموعہ صلوٰۃ میں بڑی تفصیل سے اس کے فوائد بیان کیے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"بہت سے دوسرے عارفین نے لکھا ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کی رات کو اس کے پڑھنے پر مداومت (ہیشگی) کرے گا خواہ ایک ہی مرتبہ پڑھے تو موت کے وقت اس کی روح کے سامنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح متمثل ہوگی اور قبر میں داخل ہوتے وقت بھی یہاں تک کہ وہ دیکھے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اُسے لحد میں اُتار رہے ہیں"۔[۵۰]

نجات قبر:

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عصر کی نماز کے بعد سورۃ والنازعات (پ۳۰) پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے قبر میں نہیں رہنے دیتے مگر ایک نماز کے وقت تک، اس بات کے بعد آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جو شخص قبر میں نہیں رہتا تو وہ کہاں جاتا ہے؟ فرمایا ہوتا یہ ہے کہ جب روح کمال کو پہنچتی ہے تو قلب کو جذب کر لیتی ہے اور جب قلب کمال کو پہنچتا ہے تو قالب کو جذب کر لیتا ہے۔[۵۱]

مولانا محمد ابراہیم مجددی چشتی دہلوی اپنی کتاب "طب روحانی" میں لکھتے ہیں کہ جو کوئی ہر جمعہ کے دن ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک "یا بارئ" کی تلاوت کرے گا تو حق تعالیٰ اس کو قبر میں دفن ہونے کے بعد ریاض القدس کی طرف اُٹھا لے گا، قبر میں نہ چھوڑے گا۔[۵۲]

علامہ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی اسم پاک "البارئ" روزانہ سو مرتبہ پڑھے گا وہ قبر میں مٹی کے اثرات سے بھی محفوظ رہے گا۔[۵۳]

حوالہ جات وحواشی

[۱]۔ امام محمد بن محمد بن محمد بن الجزری، حصن حصین (اُردو)، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، ص ۱۴۸

[۲]۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لیں وہ دجّال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (مشکوٰۃ، ص ۱۸۵، مسلم شریف، جلد۱، ص ۲۷۱)، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا جس شخص نے سورۂ کہف اس کی نازل شدہ ترتیب اور تجوید کے ساتھ پڑھی، اس کے لیے قیامت کے دن اس کے مقام سے مکہ کی مسافت کے بقدر نور ہوگا اور جس شخص نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں پھر دجال کا خروج ہوا تو اس شخص پر دجال کا بس نہ چلے گا۔ (الترغیب والترہیب، جلد۲، ص۶۳۴)

[۳]۔ علامہ ابن دقیق العید المالکی کا نام محمد بن علی بن وہب بن مطیع قشیری منفلوطی ہے، کنیت ابوالفتح اور لقب تقی الدین ہے۔ آپ کی ولادت ۲۵ر شعبان ۶۲۵ھ کو ینبع بندرگاہ (حجاز) کے ساحل کے قریب ہوئی جب کہ آپ کے والد ماجد حج کو جارہے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کو گود میں لے کر طواف کیا اور یہ دعا کی کہ اے اللہ اس بچہ کو عالم باعمل بنا۔ چنانچہ یہ دُعا قبول ہوئی اور آپ بہت بڑے عالم، صوفی اور محدث ہوئے۔ ۱۱ر ماہ صفر ۷۰۲ھ کو وصال فرمایا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ، مطبوعہ کراچی، ص۲۲۹ اور بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص۳۳۴)

[۴]۔ امام ابن حجر عسقلانی، الدرر کامنہ، مطبوعہ مصر، جلد۴، ص۹۵

[۵]۔ حضرت شیخ ابو محمد عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ عدن میں پیدا ہوئے، وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ دورانِ تعلیم حج سے مشرف ہوئے واپس آکر خلوت نشیں ہوئے۔ معروف صوفی حضرت شیخ علی طواشی رحمۃ اللہ علیہ سے فقر و سلوک کی تعلیم حاصل کی، ظاہری تعلیم کے لیے دوبارہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں نام ور اساتذہ سے علم کی تکمیل کی۔ دس برس بعد شام، بیت المقدس اور مصر کا سفر کیا، مصر میں حضرت ذالنون مصری قدس سرہٗ کی خانقاہ میں کچھ عرصہ گمنامی اور خلوت میں دن گزارے، پھر مدینہ منورہ آگئے۔ یہاں سے مستقل طور پر مکہ معظمہ منتقل ہوگئے اور مدینہ منورہ حاضر ہوتے رہے۔ آپ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے، روض الریاحین اور خلاصۃ المفاخر فی مناقب شیخ عبدالقادر آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۷۶۸ھ میں وصال فرمایا۔ جنت المعلیٰ میں حضرت شیخ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن ہوئے، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (سید الفاروق القادری، مقدمہ خلاصۃ المفاخر، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء، ص۴۹، بحوالہ طبقات الخواص اہل الصدق والاخلاص، از شیخ شہاب الدین ابی العباس احمد بن احمد الشرجی الزبیدی، ص۶۷، ۶۸)

[۶]۔ امام عبداللہ یافعی، روض الریاحین (اردو)، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۴۰۲ھ، ص۱۸۲

ایضاً۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اردو)، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۸۱ء، ص۱۷۲

[۷]۔ حضرت ابو عبداللہ خالد بن معدان رضی اللہ عنہ تابعی ہیں، شہر حمص (شام) کے ممتاز علما میں شمار ہوتے تھے، حدیث کے بہت بڑے حافظ تھے، ستر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ فقہ میں پورا ادراک تھا، شہرت سے گھبراتے تھے، جب حلقہ درس بڑھا تو شہرت کے خوف سے درس و تدریس کی مسند اُٹھا دی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں خالد بن معدان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ان کی بڑی عزت فرماتے تھے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اللہ کے

بہترین بندوں میں سے تھے، دن میں ستر ہزار تسبیحیں پڑھتے تھے۔ یزید بن عبدالملک کے دور میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی، وفات کے دن روزہ رکھے ہوئے تھے۔ (تہذیب التہذیب، جلد۳، طبقات ابن سعد، جلد ۷، تذکرۃ الحفاظ، جلد اوّل)

[۸]۔ امام جلال الدین سیوطی، تفسیر دُر منثور، مطبوعہ ایران، جلد۵، ص ۱۷۱

ایضاً۔ شرح الصدور (اُردو) مطبوعہ کراچی 1981، ص ۱۷۲

[۹]۔ ترمذی شریف، جلد۲، ص ۱۱۳

[۱۰]۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۱۸۷، ۱۸۸۔ ترمذی شریف، جلد۲، ص ۱۱۲

[۱۱]۔ امام جلال الدین سیوطی، تفسیر دُر منثور، جلد۶، ص ۲۴۶

ایضاً۔ ابن قیم جوزی، کتاب الروح (اُردو)، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۱۰۵

ایضاً۔ حافظ علی متقی، کنز العمال، جلد۱، ص ۱۴۷

[۱۲]۔ امام جلال الدین سیوطی، تفسیر دُر منثور، جلد۶، ص ۲۴۶

[۱۳]۔ ایضاً

[۱۴]۔ حافظ علی متقی، کنز العمال، جلد اوّل، ص ۱۴۵

[۱۵]۔ ابن القیم الجوزیہ، کتاب الروح (اُردو)، مطبوعہ کراچی، ص ۱۰۵

[۱۶]۔ امام جلال الدین سیوطی، تفسیر دُر منثور، مطبوعہ ایران، جلد۶، ص ۲۴۷

[۱۷]۔ ایضاً

[۱۸]۔ ایضاً

[۱۹]۔ خواجہ احمد دیربی مصری، مجرباتِ دیربی (اُردو)، مطبوعہ کراچی، ص ۱۴۸

[۲۰]۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اُردو)، مطبوعہ کراچی، ص ۱۴۸

[۲۱]۔ ایضاً

[۲۲]۔ ایضاً، ص ۱۴۶

[۲۳]۔ حافظ ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی شافعی ہمدانی (متوفی ۵۰۹ھ)

[۲۴]۔ حافظ ابوبکر خطیب احمد بن علی بن ثابت بن مہدی بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)

[۲۵]۔ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران الاصبہانی (متوفی ۴۳۰ھ)

[۲۶]۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اُردو)، ص ۱۴۶

ایضاً۔ سید علاء الدین علی بن سعد حسینی دہلوی، الدر المنظوم فی الملفوظ المخدوم (ملفوظاتِ جلال الدین جہانیاں جہاں گشت) مطبوعہ ملتان ۱۳۷۷ھ، جلد اوّل، ص ۲۰۳

ایضاً۔ شیخ ابوالعباس احمد بن علی بونی، شمس المعارف، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، ص ۱۹۹

نوٹ: مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے مزار اقدس کے مواجہ شریف کی جالی مبارک انہی کلمات "لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین" سے بنائی گئی ہے، اندازہ کیجیے ان کلمات شریفہ کو حضور نبی کریم ﷺ کا کتنا قرب حاصل ہے، ان کلمات کو جالی مبارک کے فوٹو میں آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے۔

[۲۷]۔ امام احمد رضا بریلوی، الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن، فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، مطبوعہ مبارک پور (بھارت)، ص ۱۲۸

[۲۸]۔ خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی، راحت القلوب (اُردو)، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ، ص ۱۳۹

[۲۹]۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اُردو)، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۱۱۳

[۳۰]۔ خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی، راحت القلوب (اردو)، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۹

ایضاً۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اُردو)، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۲

[۳۱]۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اردو) مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۹

[۳۲]۔ شیخ ابوالعباس احمد بن علی بونی، شمس المعارف (اُردو)، مطبوعہ کراچی، ص ۲۷۸

[۳۳]۔ خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی، راحت القلوب، (اردو)، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ، ص ۱۳۹

[۳۴]۔ امام احمد رضا بریلوی، الحرف الحسن، فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، مطبوعہ بھارت، ص ۱۲۸

[۳۵]۔ ایضاً

[۳۶]۔ امام صفار ابوالقاسم احمد بن عصمہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ، آپ اپنے وقت کے امام کبیر فقیہہ جید تھے، ۳۳۶ھ میں وصال فرمایا۔ (مفید المفتی، از مولانا عبدالاوّل جونپوری)

[۳۷]۔ امام احمد رضا بریلوی، الحرف الحسن، فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، مطبوعہ بھارت، ص ۱۲۸

[۳۸]۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن طاؤس بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں، امام نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت طاؤس صاحب علم وفضل اور کبار تابعین میں تھے۔ ابن حماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور علم وعمل کے اعتبار سے علما اعلام میں تھے، حدیث کے بڑے حافظ تھے، پچاس صحابہ کرام کے دیدار کا شرف حاصل تھا، بہت بڑے فقیہہ تھے، تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ مَیں نے عبداللہ بن یزید سے پوچھا کہ تم کن لوگوں کے ساتھ حضرت ابن عباس کے پاس جاتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت کے ساتھ۔ مَیں نے کہا اور حضرت طاؤس؟ انہوں نے کہا کہ وہ خواص کے ساتھ جاتے تھے۔ عمر بن دینار تابعی فرماتے ہیں کہ مَیں نے کسی شخص کو حضرت طاؤس کے برابر نہیں دیکھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ یمن کے عبادت گزاروں میں سے تھے، بستر مرگ پر بھی کھڑے ہوکر

نماز ادا فرماتے تھے، چالیس حج کیے، طواف میں خاموش رہتے تھے کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ طواف نماز کی طرح ہے، کبھی دنیاوی نعمتوں کی خواہش نہ کی، عید کے دن بہت خوش ہوتے تھے، اس دن تمام لونڈیوں کے ہاتھ پیروں میں مہندی لگواتے تھے اور فرماتے کہ یہ عید کا دن ہے۔ ۱۰۶ھ میں حج کے موسم میں مکہ معظمہ میں وصال فرمایا۔ (تابعین، از معین الدین ندوی، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۷ء، ص ۱۰۱،۱۰۲)

[۳۹]۔ امام جلال الدین سیوطی، تفسیر در منثور، مطبوعہ ایران، جلد۴، ص ۲۸۶

[۴۰]۔ حصن حصین (اردو)، مطبوعہ تاج کمپنی کراچی، ص ۲۷۸

[۴۱]۔ ایضاً

ایضاً۔ علامہ اسماعیل حقی بروسوی، تفسیر روح البیان، جلد۵، ص ۳۵۶، ۳۵۷

[۴۲]۔ علامہ ابن عابدین شامی، فتاویٰ شامی، جلد۱، ص ۶۲۹

[۴۳]۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، افضل الصلوات علی سید السادات (عربی)، مطبوعہ بیروت (لبنان)، ص ۴۸

[۴۴]۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اردو)، مطبوعہ کراچی، ص ۱۴۶

[۴۵]۔ حضرت ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن قیس المعروف بابن ابی الدنیا (متوفی ۲۸۱ھ)

[۴۶]۔ امام جلال الدین سیوطی، شرح الصدور (اردو)، مطبوعہ کراچی، ص ۱۴۸

[۴۷]۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی، الاوراد (اردو ترجمہ) مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۰۶ھ، ص ۹۷

[۴۸]۔ مخدوم سید ناصر الدین محمود، حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر اور خلیفہ مجاز تھے، وصال ۸۰۰ھ میں ہوا۔

[۴۹]۔ سید باقر بن سید عثمان البخاری الاوچی، جواہر الاولیاء (فارسی)، مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد ۱۹۷۶ء، ص ۵۲۴

[۵۰]۔ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی، افضل الصلوٰت (عربی) مطبوعہ بیروت، ص ۱۵۱،۱۵۲

[۵۱]۔ امیر خورد سید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر الاولیاء (اردو)، مطبوعہ اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۵۸۶

[۵۲]۔ محمد ابراہیم دہلوی، طب روحانی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۷

[۵۳]۔ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی، سعادۃ الدارین (اردو ترجمہ)، مطبوعہ مکتبہ حامدیہ لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۶۹۸

جہانگیری مشائخ اور بریلوی علما کے درمیان فکری مماثلت اور باہمی تعلقات پہ ایک نظر

از: حسن نواز شاہ
335 ۔ ماڈل ٹاؤن ہمک، اسلام آباد ، suhraward@hotmail.com

برصغیر میں سلسلۂ سہروردیہ کے روحانی، سیاسی اور معاشرتی کردار اور اشاعتِ اسلام میں اس سلسلہ کی مساعی جمیلہ پر ابھی تک تفصیلی کام ہونا باقی ہے۔ میری اب تک کی تحقیق کے مطابق بانیٔ سلسلۂ سہروردیہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی علیہ الرحمۃ (۵۳۹۔۶۳۲ھ) کے بتیس (۳۲) خلفا کرام برصغیر تشریف لائے۔ برصغیر میں اتنے خلفا کرام کی موجودگی سے متعلق شیخ الشیوخ سے منسوب ایک جملہ بھی ملتا ہے کہ **خلفائی فی الهند كثيرة** [1]۔ (یعنی ہند میں میرے خلفا کثرت سے ہیں) انہی جملہ خلفا کرام میں سے ایک شیخ الاسلام سید نورالدین مبارک بن عبداللہ الحسینی الغزنوی المعروف بہ میر دہلی علیہ الرحمۃ (م ۶۳۲ھ) بھی ہیں۔

اخبار الجمال الملقب به اشجار الجمال (ابتدا ۱۱۴۷۔ تکمیل ۱۱۵۳ھ)[2] کی روایت کے مطابق شیخ غزنوی، سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری (م۶۰۲ھ) کے لشکر کے ساتھ ۵۸۸ھ میں برصغیر تشریف لائے۔ [3] اور سلطان شمس الدین ایلتمش (م۶۳۳ھ) کے دور میں شیخ الاسلام رہے۔ [4] ان سے "سلسلۂ سہروردیہ غزنویہ" [5] کا اجرا ہوا۔ لیکن یہ سلسلہ، قادریہ سہروردیہ کے نام سے موسوم رہا اور اب تک جتنے بھی قدیم و جدید شجرات طریقت اس سلسلہ کے میسر آسکے، ان میں بالترتیب شیخ الشیوخ کے بعد غوث الاعظم شیخ عبدالقادر الجیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔ ۵۶۱ھ) کا اسم گرامی ملتا ہے۔ یہ نسبت شیخ الشیوخ کے دوسرے خلفا کرام کے۔ جبکہ دیگر خلفا کرام کے شجرات میں شیخ الشیوخ کے بعد شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی علیہ الرحمۃ (۴۹۰۔۵۶۳ھ) کا اسم گرامی آتا ہے۔ الانتصاح عن ذکر اھل الصلاح کی روایت کے مطابق شیخ غزنوی، شیخ الشیوخ سے سلسلۂ قادریہ وسہروردیہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے: "حضرت ایشان سلسلہ قادریہ و سہروردیہ ہر دو از حضرت شیخ الشیوخ دارند" [6]

اسی برانچ کے پٹنہ میں مدفون معروف صوفی، مخدوم شاہ محمد منعم پاکباز علیہ الرحمۃ (۱۰۸۲۔۱۱۸۵ھ) کے دور میں اسے قادری ابوالعلائی منعمی کہا جانے لگا، کیونکہ مخدوم محمد منعم سلسلۂ قادریہ سہروردیہ میں میر سید خلیل الدین علیہ الرحمۃ سے بیعت و خلافت سے سرفراز تھے، لیکن سلسلۂ ابوالعلائیہ میں بھی مستفیض ہوئے،

اور شیخ استفاضہ میر سید اسد اللہ (م ۱۱۴۵ھ) کے وصال کے بعد ان کے روحانی جانشین کہلائے۔[7]

تیرہویں صدی ہجری کے ابتدا میں اسی سلسلہ کی ایک شاخ شیخ العارفین سید مخلص الرحمٰن الملقب بہ جہانگیر شاہ علیہ الرحمۃ [8] (۱۲۲۹ـ۱۳۰۲ھ) کی نسبت سے جہانگیری کہلائی۔ اور بعد ازاں اس سے مزید دو اور شاخیں وجود میں آئیں۔

۱)۔ شکوری: تاج الاولیا شاہ محمد عبد الشکور علیہ الرحمۃ (۱۲۹۴ـ۱۳۷۴ھ) کی نسبت سے۔

۲)۔ حسنی: سلطان الاولیا صوفی محمد حسن شاہ علیہ الرحمۃ (۱۲۹۸ـ۱۳۷۹ھ) کی نسبت سے۔

ہمارا موضوع جہانگیری مشائخ اور بریلوی مکتبۂ فکر کے علما کرام کے درمیان فکری مماثلت اور باہمی یگانگت کا، اب تک میسر مواد کی روشنی میں سرسری جائزہ لینا ہے۔

شیخ العارفین سید محمد مخلص الرحمٰن الملقب بہ جہانگیر شاہ علیہ الرحمۃ (۱۲۲۹ـ۱۳۰۲ھ)
(مؤسسِ سلسلۂ جہانگیریہ)

شیخ العارفین ۱۲۲۹ھ کو مرزا کھیل (ضلع چاٹگام، بنگلہ دیش) میں پیدا ہوئے۔[9] علوم منقول و معقول کی تحصیل کے بعد، تصفیۂ باطن کے لیے سید امداد علی بھاگلپوری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۰۴ھ) کے ہاتھ پہ بیعت کی۔[10] چھ ماہ بعد شیخ نے انہیں خرقۂ خلافت سے نوازا اور جہانگیر شاہ کے لقب سے ملقب فرمایا۔[11] بعد از عطائے خلافت وطن واپس تشریف لائے اور تاحینِ حیات سلسلۂ عالیہ کی اشاعت و تبلیغ کی۔ ۱۲ رذیقعد ۱۳۰۲ھ میں وصال ہوا۔ مزار مبارک مرزا کھیل میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔[12] ان کے احوال و آثار پہ "سیرتِ جہانگیری" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی۔[13] جسے حکیم سید سکندر شاہ علیہ الرحمۃ (۱۲۹۸ـ۱۳۷۸ھ) نے تالیف کیا۔[14] مگر سرِ دست دستیاب نہیں۔ اس لیے بین المؤسسین [15] یعنی شیخ العارفین اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ (۱۲۷۲ـ۱۳۴۰ھ) کے درمیان تعلقات یا ملاقات کی نوعیت پہ طبع آزمائی ممکن نہیں۔ البتہ دو فکری مماثلتوں کی مختصراً نشاندہی کرتا چلوں۔

۱)۔ جس طرح اعلیٰ حضرت نے شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (۱۱۹۳ـ۱۲۴۶ھ) کے افکار اور ان کی معروف تصنیف "تقویۃ الایمان" کا ردِ بلیغ فرمایا۔ اسی طرح شیخ العارفین نے بھی "تقویۃ الایمان" کا رد "شرح الصدور" کے نام سے فارسی میں لکھا جو ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا۔[16]

۲)۔ اعلیٰ حضرت کی مؤسس سلسلۂ قادریہ حضور غوث الاعظم کے ساتھ جو عقیدت و محبت تھی وہ شہرۂ آفاق ہے اور اس پہ ان کے آثار منظوم و منثور گواہ۔ اسی طرح شیخ العارفین کا بھی ایک ارشاد ملتا ہے جس سے ان کی حضور غوث الاعظم سے قلبی وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ العارفین نے فرمایا:

"سب لوگ چار چیزوں (اربعہ عناصر) سے پیدا ہیں، ہم پانچ چیزوں سے ہیں ہم

میں ایک (عنصر خلقت) غوث الثقلین کی محبت بھی ہے۔" [17]

فخر العارفین سید شاہ محمد عبدالحئ جہانگیری (۱۲۷۶۔۱۳۳۹ھ)

مجدد سلسلۂ جہانگیریہ فخر العارفین سید محمد عبدالحئ ۱۲۷۶ھ کو شیخ العارفین کے ہاں مرزا کھیل میں پیدا ہوئے۔ [18] ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی [19] اور بعد ازاں لکھنؤ جاکر اپنے ہم نام ابوالحسنات علامہ عبدالحئ فرنگی محلی علیہ الرحمۃ (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ) کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ابھی دورۂ حدیث سے تین کتب باقی تھیں کہ ان کے استاد (علامہ فرنگی محلی) کا اچانک وصال ہو گیا۔ [20] بعد ازاں بقیہ کتب گنگوہ جاکر مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴۔۱۳۲۳ھ) سے تمام کیں اور پورا دورۂ حدیث سماعت فرمایا۔ [21] سفر حج کے دوران مکہ معظمہ میں حاجی امداد حسین المعروف بہ امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ (۱۲۳۳۔۱۳۱۷ھ) سے مثنوی مولانا روم کے چند دروس تبرکاً سماعت فرمائے۔ [22] ۱۳۰۵ھ میں تحصیل علوم کے بعد لکھنؤ تشریف لائے اور کچھ عرصہ دار العلوم فرنگی محل میں بطور مدرس اپنی خدمات سرانجام دیں۔ فرنگی محل میں جہاں کئی طلبا نے ان سے استفادہ فرمایا وہاں چند مشاہیر مثلاً مولانا عبدالباقی فرنگی محلی (۱۲۸۶۔۱۳۶۴ھ)، شمس العلما مولانا عبدالحمید فرنگی محلی (م ۱۳۵۳ھ) اور حکیم مولانا عبدالولی لکھنوی (م ۱۳۳۳ھ) نے بھی ان سے پڑھا۔ [23] اسی دوران غازی پور میں مدرسہ چشمۂ رحمت میں صدر مدرس کی جگہ خالی ہوئی تو مولانا عبدالاحد شمشاد فرنگی محل (۱۲۶۶۔۱۳۳۵ھ) جو اس مدرسہ کے مہتمم تھے کی درخواست پہ دسمبر ۱۸۸۹ء / ۱۳۰۷ھ کو غازی پور تشریف لائے۔ [24] اور ۳۱ جنوری ۱۸۹۵ء / ۱۳۱۳ھ تک یہاں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ [25] بعد ازاں مرزا کھیل تشریف لے گئے اور تمام عمر متوکلانہ گزار دی۔ بقول سید سکندر شاہ آپ کی آمدنی ایک مختصر زمینداری کی تھی جو زمینداری آپ کو والدِ ماجد قدس سرہٗ سے ترکہ میں ملی تھی۔ اس کی آمدنی تقریباً سو روپے سالانہ تھی۔ اسی آٹھ روپے پانچ آنے ۴ پائی ماہوار میں آپ کمال متوکلانہ طریقے سے گزارہ فرماتے رہے نہ کبھی جائداد پر قرض لیا نہ کوئی آمدنی کا طریقہ اختیار فرمایا۔ فرمایا کرتے تھے کہ

"مل گئی تو روزی نہ ملی تو روزہ" [26]

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو ان کا وصال ہوا۔ مزار مبارک مرزا کھیل میں ہے۔ [27] فخر العارفین اور اعلیٰ حضرت کے درمیان ملاقات ہوئی یا نہیں یہ ابھی تک تحقیق طلب ہے۔ البتہ ان دونوں شخصیات کے افکار میں ازحد مماثلت پائی جاتی ہے۔ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

ا۔ عبدالنبی / عبدالرسول

"ارشاد ہوا۔ قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمة الله (یا نبی!) کہیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ

ہوا!'' اس آیت کریمہ میں لفظ عباد بہ صیغۂ جمع ارشاد فرمایا ہے۔ جس کا مفرد عبد ہے اور اس مفرد لفظ عبد کی دوسری جمع عبید بھی آتی ہے۔ مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید۔ (سورۂ ق رکوع ۳) نہیں بدلی جاتی بات میرے نزدیک اور نہیں میں ظلم کرنے والا بندوں پر۔''

اس آیت میں عبید کے معنے مخلوقِ خدا کے ہیں۔ اور لفظ عبد کے دو معنی ہیں۔ اول بندہ یعنی مخلوق خدا۔ دوم بندہ، مملوک، معنی غلام، آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا الخ میں معنی بندہ اور غلام، مملوک کے ہیں۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ہمارے نبی ﷺ سے فرمانا کہ یوں کہہ دیجئے یا عبادی یعنی اے میرے بندو!...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ (اے ہمارے محبوب)

لوگوں کو اپنا بندہ کہہ کر مخاطب کیجئے!

پس جبکہ آیت سے انسان کا بندۂ رسول پکارا جانا صاف طور پر ثابت ہے تو پھر عبدالرسول اور عبدالنبی نام رکھنا بھی صحیح اور جائز ہے۔''[28]

اس موضوع پہ اعلیٰ حضرت کا ایک رسالہ بذل الصفا لعبد المصطفی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[29]

۲۔ علمِ غیب

''علمِ غیب کے بارے ارشاد ہوا۔'' مشکوٰۃ کی کتاب الایمان فصل اول میں حدیثِ جبریل علیہ السلام حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مع اصحاب تشریف فرما تھے کہ ایک بدوی صورت کے شخص آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے، اور آپ نے جوابات دیئے۔ جب وہ بدوی صورت (جو در حقیقت حضرت جبریل علیہ السلام تھے) چلے گئے۔ تو آپ نے صحابہ سے پوچھا تم جانتے ہو کہ یہ کون شخص تھے۔ حضرت عمر نے جواب دیا۔ اللہ و رسولہ اعلم (اللہ اور اللہ کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں)۔

قاعدہ یہ ہے کہ واو حرف عطف، اللہ اور رسولہ۔ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، گویا حضرات صحابہ نے بالاتفاق ''زیادہ جاننے والے'' کی نسبت جس طرح اللہ کی ذات پاک کی طرف کی، اسی طرح رسولِ مقبول ﷺ کی ذاتِ مقدس کی طرف نسبت کی۔ پس اس مسئلہ میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو صحابۂ کرام کا ہے۔''[30]

اس موضوع پہ اعلیٰ حضرت نے درج ذیل کتب و رسائل میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

انباء المصطفیٰ بحال سرو اخفیٰ

اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر بما کان ما یکون

مالی الحبیب بعلوم الغیب [31]

الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ [32]

الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیۃ، (الدولۃ المکیہ پہ اعلیٰ حضرت کا حاشیہ) [33]

ظفر الدین الجید ملقب بہ بطشِ غیب [34]

ابراء المجنون عن الفتہا کہ علم المکنون

ماحیۃ الحبیب بایمان الغیب

میل الھداۃ لبرء عین القداۃ

لراحۃ جوانح الغیب عن لزاحۃ اھل العیب

الجلاء الکامل لعین قضاۃ الباطل، [35]

خالص الاعتقاد۔

۳۔علماء دیوبند

"فرمایا۔فلاں جماعت کے علما علی العموم بے ادب اور گستاخ ہیں، عظمتِ انبیا و اولیا ان کے قلوب میں نہیں، ان کے بحث و مجادلہ کا خاتمہ ہمیشہ تعظیم انبیا و اولیا میں ہوتا ہے، کہ خدا کے نزدیک جن کی عظمت ہے (اور جن کا ادب موجب رضائے حق ہے)۔" [36]

۴۔مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ)

(الف) "ارشاد فرمایا۔ہم نے ایک روز مولوی اشرف علی سے پوچھا (کہ در طریقت قطب و در شریعت بدعتی ایں چہ معنی دارد) طریقت میں قطب اور شریعت میں بدعتی اس کے کیا معنی۔" [37]

اس ارشاد کے تناظر میں حکیم سید سکندر شاہ لکھتے ہیں کہ

"حضرت مولانا فخر العارفین قدس سرہٗ کے اعتراض کی تشریح یہ ہے کہ مولوی اشرف علی، حضرت امداد اللہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ عقیدتِ مریدانہ کی رو سے آپ حضرت حاجی صاحب قبلہ کو کیا سمجھتے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ ولی اور قطب۔لیکن جب ان کے مشرب اور معمولات کے بارے پوچھا جاتا ہے جنہیں انہوں نے اور ان کے حضرات پیران سلسلہ نے کیا ہے، مثلاً قیام میلاد شریف اور فاتحہ مروجہ اور اعراسِ بزرگان دین وغیرہ (جسے حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اپنے رسالہ ہفت مسئلہ) میں جائز اور مباح تحریر فرمایا ہے تو مولوی اشرف علی ان سب کو بدعت کہتے ہیں اور یہ امر تحقیق شدہ مسلمات سے ہے کہ بدعتی قطب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا از روئے طریقت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کو قطب سمجھنا اور ان کے مشرب اور معمولات کو شرعاً بدعت ٹھیرانا اس کے کیا معنی ہیں (یہ اجتماع ضدین ہوا)۔" [38]

(ب) ''فرمایا۔ خدا کی پناہ۔ وہ کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بے شک قطب تھے مگر شریعت میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔

فرمایا۔ ان سے پوچھا جائے اگر حاجی صاحب نے شریعت کے خلاف کوئی فعل کیا اور اس فعل کو اپنا معمولِ دائمی بنایا جیسے قیامِ میلاد شریف وغیرہ تو پھر حاجی صاحب قطب کیسے ہو گئے۔ جو شخص بدعت اور نافرمانی خدا کی کرے کیا وہ خدا کا محبوب اور ولی ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔

فرمایا۔ مولوی اشرف علی اپنے شیخ کامل کے فرمان اور عمل کو خلاف شرع سمجھتے اور ناجائز بتاتے ہیں۔ وہ بے خوف ہے جس نے اپنے پیر و مرشد کی بے ادبی کی۔ اس سے زیادہ اور کون بے ادب ہوگا۔ مولوی اشرف علی کے وہی خیالات ہیں جو مولوی اسمٰعیل دہلوی کے تھے۔''[39]

(ج) ''فرمایا۔ حضرت رسول مقبول ﷺ کے دستِ حق پرست پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے مگر ان میں سے بعض آپ کی وفات کے بعد مرتد ہوئے۔ لیکن یہ سمجھ کر مرتد نہیں ہوئے کہ ہم ترک اسلام سے گمراہی کی طرف جا رہے ہیں بلکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ ہم گمراہ تھے اسلام چھوڑ کر اب ہم ہدایت پر آئے ہیں، یعنی کفر کو ہدایت اور ہدایت کو گمراہی سمجھتے تھے نعوذباللہ۔ اب بھی جو لوگ مرتد ہوتے ہیں تو انہیں یقین ہوتا ہے کہ ہم گمراہی سے ہدایت پر آئے۔

فرمایا۔ یہی حالت مولوی اشرف علی کی ہے کہ وہ اپنے پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے پھر گئے جو کامل و اکمل بزرگ تھے اور ان کے سلسلۂ عالیہ کے تمام بزرگ کامل و اکمل ہوئے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ سے لیکر حضرت رسولِ مقبول ﷺ تک سب پیرانِ سلسلہ کامل ولی اور نورٌ علیٰ نور ہیں۔ لیکن مولوی اشرف علی نے ان سب پیرانِ سلسلہ کی مخالفت کی اور منحرف ہو گئے، ان کی روح نے انحراف کیا، از روئے طریقت وہ مرتد اور کافر ہیں۔''[40]

(د) ''مولوی اشرف علی اپنے شیخ کامل کے فرمان و عمل کو خلاف شرع سمجھتے اور ناجائز بتاتے ہیں، وہ بے خوف ہے۔ مولوی اشرف علی کا قلب مردہ ہے اگرچہ وہ سمجھیں کہ میں عین ہدایت پر ہوں مگر درحقیقت مرتدِ طریقت ہیں۔ پیر و مرشد نے جس مقام پہ بسم اللہ کہا۔ مرید اس مقام پہ اعوذ باللہ پڑھے تو وہ مرید رہا یا مردود۔''

(ہ) ''فرمایا۔ شیعوں کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ گمراہ ہیں اور درحقیقت وہ گمراہ ہیں کیونکہ ہدایت یافتہ اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو وہ گمراہ سمجھتے ہیں، اور اس گمراہی عقیدہ کے باوجود اپنے آپ کو عین ہدایت پر سمجھتے ہیں، یہی حالت مولوی اشرف علی کی کہ اپنے ہدایت یافتہ شیخ کو اور اپنے پیران سلسلہ کو گمراہ سمجھتے ہیں۔''[41]

ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ (۱۳۰۳۔۱۳۸۲ھ) نے مولانا تھانوی کے افکار کے

ردّ میں اعلیٰ حضرت کی درج ذیل کتب کی نشاندہی فرمائی ہے۔

الدولة المكيه بالمادة الغيبية

حسام الحرمين على منحر الكفر المين

خلاصة فوائد فتاویٰ

مبين احكام و تصديقات اعلام

الفيوض الملكيه لمحب الدولة المكيه

تمهيد ايمان بآيات قرآن

ظفر الدين الجيد

چابک لیث بر اہل حدیث[42]

۵۔ تذکرہ غوثیہ

''ایک بار میرٹھ کے مظاہر الاسلام مرحوم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کسی شخص کا سلام عرض کیا آپ نے دریافت فرمایا کہ ''یہ کون شخص ہیں؟''، انہوں نے عرض کیا کہ فلاں درویش کے مرید ہیں اور ان کے مقتدیٰ غوث علی شاہ صاحب ہیں جن کے حالات و تعلیمات کی کتاب ''تذکرۂ غوثیہ'' ہے۔ جس کتاب میں لکھا ہے کہ :

''غوث علی شاہ صاحب نے انیس بزرگوں سے بیعت کی، ان میں گیارہ مسلمان اور آٹھ ہندو تھے۔''

یہ سن کر آپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور استغفر اللہ دیر تک پڑھتے رہے اور فرمایا۔ ''جوگیوں کی شریعت ہمارے لیے ناپاک، ان کی طریقت بھی ہمارے لیے ناپاک (پس) جس کا ظاہر ناپاک اس کا باطن کیسے پاک ہوسکتا ہے۔''

اور فرمایا۔'' ہندوستان میں کیا اندھیر ہے کہ مسلمان ہوکر اور مولوی ہوکر ہندو فقیروں اور جوگیوں سے فقیری سیکھنے گئے، کیا ان لوگوں کے لیے وہ شریعت و طریقت کافی نہ تھی جو تمام شریعتوں کی جامع اور تمام طریقتوں سے افضل ہے اور کامل ترین جس کو رسولِ مقبول ﷺ خدا کے پاس سے لائے کیا ان لوگوں نے طریقت کا منبع اور مخرج حضرت رسولِ کائنات ﷺ کے سوا جوگیوں کو سمجھا ہے؟ نعوذ باللہ (پناہِ خدا)

اگر اس مسئلہ کو صاف کرنے اور اس کی خرابی کی اصلاح کرنے کی غرض سے کھلم کھلا میدانِ تحریر میں لایا جائے تو مخالفین ومنکرین کی کج فہمیوں سے احتمال ہے کہ ان کا نفس طریقت اور حقیقت درویشی پر اعتراض (وانکار) کرنے کا موقع مل جائے گا، اس لیے ہم تم لوگوں کے لیے دعا کرتے ہیں کہ خدا اپنی رحمت سے تم لوگوں کو ان خطرات سے محفوظ رکھے اور ہدایت کرتے ہیں کہ جن درویشوں میں فرائض و

واجبات کی پابندی اور حرام وحلال کا لحاظ نہ ہو ان سے ہرگز ربط وضبط، میل جول نہ رکھنا (اور ہماری اس وصیت سے) اپنے تمام پیر بھائیوں کو آگاہ کر دینا۔"[43]

تذکرہ غوثیہ کے بارے فخر العارفین کے ارشادات کے بعد اعلیٰ حضرت کی رائے درج ذیل ہے:

"کتاب تذکرہ غوثیہ جس میں غوث علی شاہ پانی پتی کا تذکرہ ہے، ضلالتوں، گمراہیوں بلکہ صریح کفر کی باتوں پر مشتمل ہے، مثل اغوث علی شاہ ،جگن ناتھ کی چوکی پر اشنان کرتے ملتے کسی نے پہچانا تو بولے کہ اس شخص (؟) کے دو باپ تھے، ایک مسلمان اس کی طرف سے حج کر آیا ہے، دوسرا باپ ایک پنڈت تھا؟[44] اس کی طرف سے جگن ناتھ تیرتھ کرنے آیا ہے۔ایسی ناپاک بے دینی کی کتاب کا دیکھنا حرام،جس مسلمان کے پاس ہو جلا کر راکھ کرے۔"[45]

حضرت محمد نبی رضا شاہ الملقب بہ اسدِ جہانگیری علیہ الرحمۃ (۱۲۸۴ـ۱۳۲۹ھ)

۲۵ر ربیع الاول ۱۲۸۴ھ میں بھینسوڑی (رامپور) میں پیدا ہوئے۔[46] مروجہ علوم کی تحصیل مولوی جشان خاں، مولوی محمد حسین اور ولایتی میاں صاحبان سے حاصل کی۔[47] ۱۸۸۵ء میں رجنٹ سیکنڈ بنگال لانسرز میں ملازمت اختیار کی۔ ایک بار کلکتہ میں دوران ملازمت کوئی پہلوان باہر سے آیا اور اس نے شہر کے پہلوانوں کو چیلنج challange کر دیا جب کوئی بھی اس سے مقابلے کو تیار نہ ہوا تو انہوں نے اس کا چیلنج قبول کیا اور مقررہ دن اس پہلوان کو ہرا دیا۔ یہ مقابلہ دیکھنے سارا شہر آیا، ناظرین میں نواب سر سلیم اللہ خاں رئیسِ ڈھاکہ (۱۸۸۴ـ۱۹۱۵ء) بھی موجود تھے۔[48] حاجی الحرمین حضرت محمد عنایت حسن شاہ علیہ الرحمۃ (م ۱۳۶۰ھ) کے بقول" نواب صاحب ڈھاکہ آپ کا جمالِ جہاں آرا دیکھ کر گرویدہ ہو گئے اور ہر امکانی کوشش کے ساتھ آپ کو فوج کی ملازمت سے سبکدوش کرا کر اپنے ہمراہ ڈھاکہ لے گئے اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ مصاحبت میں رکھا۔

نواب صاحب آپ سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ کسی وقت آپ کو جدا کرنا گوارا نہ تھا اور آپ کی دیانت وامانت کی وجہ سے بڑے بڑے مالی کام آپ کے سپرد کئے جاتے۔"[49]

ایک مرتبہ شاہ نبی رضا، نواب سلیم اللہ خاں، نواب حیدر علی خان (رئیس کرونیہ، ضلع میمن سنگھ) [50] اور ڈپٹی بدیع العالم اسلام آبادی کے ہمراہ کلکتہ میں قیام پذیر تھے کہ انہی دنوں فخر العارفین کلکتہ میں تشریف فرما ہوئے۔ چونکہ ڈپٹی بدیع العالم علیہ الرحمۃ پہلے ہی فخر العارفین کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ [51] لہٰذا فخر العارفین کا قیام اسی مکان میں ہوا جہاں یہ حضرات ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہیں ان کی ملاقات فخر العارفین سے ہوئی اور وہیں یہ بیعت بھی ہوئے۔[52] چند سال بعد انہیں خلافت سے سرفراز فرما کر لکھنؤ بھیج دیا گیا۔[53] اور یوں تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں لوگ ان کے دامن سے وابستہ ہو کر ہدایت

یاب ہوئے۔ حکیم سید سکندر شاہ نے لکھا ہے کہ

"جناب شاہ نبی رضا خاں صاحب مرحوم سے ڈھاکہ کے نواب سر سلیم اللہ خاں کو حکم رشتۂ اعتقاد تھا، یہاں تک کہ نواب صاحب کے چھوٹے سالے امیر حسن خاں اور بعض اہلِ خاندان جناب شاہ نبی رضا خاں صاحب کے مرید ہوئے۔" [54]

ان کا وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو لکھنؤ میں ہوا۔ مزار مبارک مسلم قبرستان لکھنؤ میں ہے۔ [55] فیض العارفین مولانا شاہ غلام آسی پیا حسنی علیہ الرحمۃ (۱۹۱۷ء۔۲۰۰۳ء) نے ان کے اور اعلیٰ حضرت کے باہمی تعلق کے بارے لکھا ہے کہ "رامپور میں زیادہ تر مغلیہ دور میں افغانی نسل فتحانی قوم ہی آکر بسی ہے۔ جناب پہلوان سہراب خاں صاحب [56] بھی غالباً اسی دور کے فتحانوں میں سے تھے۔ سہراب خاں صاحب لکھنؤ والے حضرت شہنشاہ رضا کے خالہ زاد بھائی تھے اور اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلی شریف کے بھی خالہ زاد بھائی لگتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھینسوڑی شریف والوں کا بریلی شریف والوں سے خالہ زادی کا رشتہ ہے۔" [57]

تاج الاولیا شاہ محمد عبدالشکور علیہ الرحمۃ (۱۲۹۴۔۱۳۷۴ھ)

یہ ۱۲۹۴ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے [58] علومِ ظاہری کی تحصیل کے بعد جہانگیری سلسلہ کے عظیم شیخ حضرت محمد نبی رضا شاہ سے بیعت ہوئے۔ [59] چونکہ فکر معاش کے سلسلہ میں یہ نصیر آباد چھاؤنی (اجمیر) میں مقیم تھے، لہٰذا تیس سال تک وہاں سلسلہ جہانگیری کے روحانی پیغام کو پھیلایا۔ [60] اس کے بعد سکندر آباد (ضلع بلند شہر) منتقل ہوگئے۔

کچھ وقت وہاں رہنے کے بعد جالندھر کو مرکز توجہ بنایا۔ [61] بعدازاں دوبارہ سکندر آباد تشریف لائے اور تا قیام پاکستان وہاں مقیم رہے۔ [62] جون ۱۹۴۸ء کو سکندر آباد سے لاہور ہجرت فرمائی۔ [63] اور ۲۰ جون ۱۹۵۲ء کو جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن میں باقاعدہ خانقاہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ [64] ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ / ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو ان کا وصال ہوا [65] اپنی خانقاہ میں ہی دفن ہوئے۔ نمازِ جنازہ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ (۱۸۹۶۔۱۹۶۱ء) نے پڑھائی۔ [66] فیض العارفین نے لکھا ہے کہ

"حضرت مولانا عبدالشکور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے غالباً بڑے صاحبزادہ [67] حضرت مولانا صوفی عبدالستار شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جو اجمیر مقدس میں ہمارے بہنوئی حضرت صدر الشریعۃ علامہ امجد علی علیہ الرحمۃ (مصنف "بہار شریعت") کی خدمت میں برسوں رہ کر درس نظامیہ عربیہ کی دستار فضیلت حاصل فرمائی اور بڑے جید عالم ہوئے۔ اپنے والدِ ماجد کی خدمت میں رہ کر جہانگیری سلسلہ کے جید صوفی ہوئے، مگر آپ کی عمر شریف نے وفا نہیں کی۔ عین عالمِ جوانی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ

ارجعون اور آپ کا مزار پاک بڑا سونا پور ناریل باڑی بمبئی میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ اس رشتہ سے علما بریلی قصبہ نصیر آباد میں جلسہ ہائے شکوریہ جہانگیریہ میں وقتاً فوقتاً تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک بار نصیر آباد میں حضرت مولانا عبدالشکور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے قریب فاتحہ وعرس رضائیہ، جلسہ عید میلاد النبی منعقد فرمایا۔ جلسہ گاہ کے دروازہ پر یہ رباعی آویزاں تھی۔

یہ بزم تجلی ہے کس دلربا کی　　　　که ہے پیکرِ نور ہر جسم خاکی
ولیٔ خدا اور صفیٔ خدا کی　　　　شہ بوالعلی اور شاہ رضا کی

جب جلسہ میں حضرت صدر الشریعۃ اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں تشریف لائے تو سمجھا کہ یہ رباعی ہمارے ہی خاطر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کی شان میں لکھی گئی ہے۔ پھر حضرت مولانا عبدالشکور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ یہ رباعی ہمارے سرکار مرشدِ کامل حضرت خواجہ محمد نبی رضا شاہ لکھنوی علیہ الرحمۃ کی شانِ پاک میں ہے۔ اس جلسہ میں حضرت صوفی محمد عنایت حسن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ بھی جلوہ گر تھے۔" [68]

سلطان الاولیا خواجہ صوفی محمد محسن شاہ علیہ الرحمۃ (۱۲۹۸۔۱۳۷۹ھ)

یہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء کو بھینسوڑی شریف (تحصیل ملک، ضلع رامپور) میں پیدا ہوئے۔ [69] چونکہ ابتدا ہی سے ان کا رجحان روحانیت کی طرف تھا، سو علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد تلاش شیخ میں اس دور کے کئی صوفیا کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے، کچھ عرصہ قریبی قصبہ کیمری کے حضرت مستان شاہ علیہ الرحمۃ [70] (م ۱۳۲۵ھ) کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ لیکن ان کی وابستگی تو حضرت شاہ محمد نبی رضا خاں علیہ الرحمۃ کے مقدر ہو چکی تھی۔ ان سے منسلک ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ شیخ کا وصال ہو گیا۔ شاید قائم چاند پوری (م ۱۲۰۸ھ) نے کسی ایسی ہی کیفیت میں یہ شعر کہا ہوگا کہ ؎

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند　　　　کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا [71]

وصالِ شیخ کے بعد جب اضطراب حد سے بڑھا تو انہوں نے ہندستان بھر کی خانقاہوں اور آستانوں کا سفر کیا۔ فیض العارفین رقمطراز ہیں کہ

"اس بے چینی اور دیوانگی کے عالم میں حضرت قبلہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور ہندستان کے تمام آستانوں اور خانقاہوں کی خاک چھان ڈالی۔ یوپی، بہار، پنجاب، سندھ، ممالک متوسط بلاد ہند کے تمام صوفیا، علما و مشائخ سے ملاقات کی۔ بریلی شریف میں مشہور وقت پیر جناب بشیر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی گئے اور ایک روز سوداگری محلہ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی

حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر وہاں سے بھینسوڑی شریف تشریف لائے۔" [72]

بالآخر اسی کیفیت میں اپنے جدِ روحانی فخر العارفین کی خدمت میں پہنچے۔ فخر العارفین نے کچھ دن انہیں اپنے پاس رکھا۔ ایک دن فرمایا جاؤ اور اپنے شیخ کے برادر خورد شاہ عنایت حسن (علیہ الرحمۃ) کو ساتھ لیکر آؤ۔ چنانچہ یہ واپس بھینسوڑی تشریف لائے اور شاہ عنایت حسن کی خدمت میں فخر العارفین کا پیغام پہنچایا، پیغام ملتے ہی دونوں حضرات نے مرزا کھیل کے لیے رختِ سفر باندھا۔ [73] جب وہاں پہنچے تو فخر العارفین نے شاہ عنایت حسن کو سجادہ نشینوں کے حجرے میں ٹھہرایا [74] اور ڈیڑھ ماہ اپنے پاس رکھا۔ شاہ عنایت حسن نے خود لکھا ہے کہ

"حضرت سیدنا فخر العارفین نے ڈیڑھ ماہ تک حاضریٔ دربار شریف کا فخر بخشا اور علم تصوف کے تمامی مسائل ذہن نشین کر دیئے۔ بہر حال یہ بیان میں نہیں آسکتا کہ کیا ہوا یہ گونگو کا معاملہ ہے۔ جب ہر طرح تسلی ہوگئی رخصت فرما دیا۔" [75]

بوقتِ رخصت فخر العارفین نے شاہ عنایت حسن کو ان کے شیخ اور برادر اکبر شاہ محمد نبی رضا کا سجادہ نشین مقرر فرمایا اور اس کے بعد شاہ عنایت حسن کو حکم فرمایا کہ اب آپ صوفی محمد حسن شاہ [اس کے بعد: "سلطان الاولیا"] کی خلافت کا اعلان فرمائیں۔ [76] سلطان الاولیا اور ان کے خلفا کرام سے سلسلہ کی بہت ترقی ہوئی اور لاکھوں کے حساب سے مخلوق خدا ان سے مستفیض ہوئی۔ سلطان الاولیا کا ۶ / جمادی الاوّل ۱۳۷۹ھ کو وصال ہوا، مزار مبارک بھینسوڑی شریف میں ہے۔ [77] سلطان الاولیا کے ساتھ معروف بریلوی عالم و مناظر شیر بیشۂ اہلِ سنت مولانا محمد حشمت علی لکھنوی علیہ الرحمۃ (۱۳۱۹-۱۳۸۰ھ) کا رشتۂ عقیدت و مؤدت تھا۔ فیض العارفین راوی ہیں کہ

"کئی بار پہلی بھیت کی فاتحہ میں حضرت قبلہ نے حضرت شیر بیشۂ (اہل) سنت مولانا حشمت علی خان صاحب کو بھی یاد فرمایا بلکہ قوالی بند کرا کے مولانا سے میلاد شریف اور قل شریف پڑھوایا۔ مولانا صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی حضرت قبلہ بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور حضرت مولانا بھی حضرت قبلہ کا بہت ادب و احترام فرمایا کرتے تھے اور حضرت قبلہ سے انہیں بہت عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار جب ان کے چھوٹے بھائی مولانا محبوب علی خاں صاحب وہابیوں کے ساتھ فساد ہو جانے کے باعث گرفتار ہوگئے تھے، وہابی پارٹی چونکہ پیسے والی تھی اس لیے مولانا کی ضمانت و رہائی میں بڑی دشواری پیش ہوگئی تھی۔ حضرت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سیدھے اجمیر مقدس حضرت قبلہ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ سے بڑی منت و سماجت سے عرض کیا حضور میرا بھائی مولانا محبوب علی خاں گرفتار ہوگیا ہے اسے رہا فرما

دیجیے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا میں دعا کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ وہ رہا ہو جائیں گے۔ مگر مولانا تو یہ عرض کر رہے تھے کہ حضور اپنی زبان سے یہ کہہ دیں کہ میں نے تمہارے بھائی محبوب علی خاں کو رہا کر دیا۔ تو جب حضرت قبلہ نے اپنی فیض ترجمان سے یہ جملہ فرما دیا تو مولانا نے عرض کیا کہ حضور اب میرا بھائی رہا ہو جائے گا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوستوں کی خاطر حقائق اشیا کو چاہے تو بدل دے مگر دوست کی بات بدلا نہیں کرتا۔" [78]

۱۹۵۱ء میں سلطان الاولیا حج کے لیے تشریف لے گئے۔ حسنِ اتفاق سے شیر بیشۂ اہل سنت بھی اسی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ فیض العارفین نے لکھا ہے کہ

"اسی محمد جہاز میں حسنِ اتفاق سے مولانا حشمت علی خاں صاحب بھی حج و زیارت کے لیے جا رہے تھے حضرت قبلہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمۃ بھی شاد و مسرور ہو گئے کہ ایک ولیٔ کامل کی رفاقت مل گئی اب خوب مل کر نماز پنجگانہ وعظ و میلاد و صلوٰۃ و سلام پورے چھ دن جہاز میں ہوتے رہے جب احرام کا وقت آیا تو حضرت قبلہ نے مولانا حشمت علی خاں صاحب سے از روے محبت فرمایا کہ مولانا تم ہی ہمارے سب مریدوں کا احرام بندھوا دو۔ [79]

مولانا غلام جیلانی جو دامنِ سلطان الاولیا سے وابستہ تھے۔ جامعہ مظہر الاسلام مسجد بی بی جی بریلی میں شیخ الحدیث رہے۔ بعد ازاں سلطان الاولیا کے حسب ارشاد دار العلوم فیض الرسول براؤن شریف (ضلع بستی) میں asA (بطور) شیخ الحدیث اپنی خدمات سر انجام دیں۔ [80]

حضرت میر سید محمد احمد صدیق المتخلص بہ قاتل شاہ لکھنوی علیہ الرحمۃ (۱۸۸۵ء-۱۹۵۰ء)

یہ ۱۴ر جنوری ۱۸۸۵ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ [81] بعد ازاں ان کے والدین اجمیر منتقل ہو گئے [82] علومِ ظاہری کی تحصیل کے بعد فن طبابت کو ذریعۂ معاش بنایا [83] اس کے بعد محکمۂ ریلوے میں ملازمت اختیار کی۔ [84]

اسی دوران شاہ محمد عبدالشکور سے بیعت ہو گئے۔ [85] ۱۹۲۳ء میں انہیں خلافت و اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا گیا۔ [86] قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں قیام پذیر ہوئے۔ اور یہیں ۹ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو ان کا وصال ہوا۔ [87] ان کی نمازِ جنازہ مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمۃ (۱۸۹۸ء-۱۹۷۰ء) نے پڑھائی اور دعاے مغفرت مولانا ناصر جلالی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۶۵ء) نے فرمائی۔ [88] شاہ قاتل قادر الکلام شاعر تھے، ایک بار اپنی ایک غزل بغرضِ اصلاح استاد نواب مرزا خاں المتخلص بہ داغ دہلوی (۱۸۳۱ء-۱۹۰۵ء) کو بھیجی، جسے معمولی اصلاح کے بعد ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا گیا کہ اگر ذوقِ سخن کا یہی حال رہا تو ایک

دن آپ فن کی بلندیوں کو چھو لیں گے۔[89]

شاہ قائل کے بریلوی علما کے ساتھ کافی اچھے مراسم تھے۔ بالخصوص مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا ناصر جلالی اور مولانا ظہور الحسن درس (۱۹۰۵۔۱۹۷۲ء) کے ساتھ۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب ملتان میں جمعیت العلما پاکستان کا اجلاس ہوا تو کراچی سے مولانا ناصر جلالی، مولانا ظہور الحسن درس کے ہمراہ شاہ قائل اور ان کے سجادہ نشین میر سید رضا الانبیا المتخلص بہ رومی شاہ (۱۹۲۷۔۱۹۹۴ء) نے بھی اس میں شرکت فرمائی اور اس اجلاس میں انہیں جمعیت العلما پاکستان برائے سندھ و کراچی کا امیر مقرر کیا گیا۔ کراچی واپس پہنچنے کے بعد انہوں نے علما و مشائخ کا اجلاس طلب کیا اور دیگر علما کرام سے مشاورت کے بعد مولانا عبدالحامد بدایونی کو امیر مقرر کر دیا گیا۔[90]

علاوہ ازیں ڈھوک وہاب (داخلی، دیوی) تحصیل گوجرخان سے تعلق رکھنے والے فکرِ اعلیٰ حضرت کے گمنام اور پرجوش مبلغ میر غلام مصطفیٰ علیہ الرحمۃ (م ۱۹۵۰ء) جنہوں نے ۱۳ر ربیع الاول ۱۳۳۷ھ (۱۷ر دسمبر ۱۹۱۸ء) کو اعلیٰ حضرت سے ایک فتویٰ منگوایا تھا۔[91] ان کی روحانی نسبت بھی شاہ قائل سے تھی۔[92]

حضرت ابوالرضا شاہ محمد عمر رومی علیہ الرحمۃ (۱۹۰۰۔۱۹۷۷ء)

یہ ۱۷ر صفر ۱۳۱۸ھ / ۱۶ر مئی ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔[93] علومِ ظاہری کے حصول کے بعد مارچ ۱۹۱۷ء میں جودھپور ریلوے میں بطور تار بابو ملازمت اختیار کی اور اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر تعینات رہے۔[94] جون ۱۹۱۹ء میں انہوں نے مستقل ملازمت محکمۂ تار و ڈاک میں اختیار کی [95] اور مختلف مقامات پر بطور پوسٹ ماسٹر تعینات رہے۔

مارچ ۱۹۲۳ء کو ان کا تبادلہ ان کے آبائی وطن ناوہ کچامن میں ہوا۔[96] یہیں ۱۹۲۳ء کے اواخر میں ان کی ملاقات شاہ قائل سے ہوئی جو محکمہ ریلوے میں ملازم تھے اور اکثر اجمیر سے قصبہ ناوہ آتے رہتے تھے[97] ان سے ملاقاتیں ہونے لگیں اور بالآخر ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ / ۱۷ر جولائی ۱۹۲۵ء کو شاہ رومی دامنِ شاہ قائل سے وابستہ ہو گئے۔[98]

۲۶ر ربیع الاول ۱۳۴۷ھ / ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۸ء کو انہیں خلافت و اجازت بیعت سے نوازا گیا۔[99] اور یوں انہوں نے ملازمت کے ساتھ ساتھ سلسلہ کا کام بھی جاری رکھا۔ قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد (سندھ) میں سکونت اختیار کی اور یہیں یکم محرم ۱۳۸۹ھ / ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۷ء کو ان کا وصال ہوا۔[100] انہوں نے خودنوشت سوانح ''روئے کتابی'' میں یوں لکھا ہے کہ

''(۶ مئی ۱۹۴۰ء کو) پالی پہنچنے پر وہاں کے مسلمان خصوصاً چھیپے ملنے کے لیے آئے اور انہوں نے ہم سے کہا کہ صدر الشریعۃ مولانا امجد علی صاحب (صاحب بہار شریعت) جب تک اجمیر شریف میں درگا

شریف میں درگاہ کے مدرس تھے ہر سال گیارہویں شریف میں تقریر کے لیے پالی تشریف لایا کرتے تھے لیکن اب وہ دادون ضلع مظفر پور چلے گئے ہیں، ہم نے انہیں گیارہویں شریف پر بلانے کے لیے خط دیئے ہیں لیکن انہوں نے آنے سے انکار کردیا۔

ہم نے کہا کہ ہم ان کو بلائیں گے، ان سے پتہ لیکر ہم نے انہیں تار دیا کہ اس جواب میں مولانا نے پالی آنے کا اقرار کرلیا۔ .... بڑی گیارہویں شریف پر مولانا امجد علی صاحب پالی تشریف لے آئے اور شام کو چھیپوں کی بڑی مسجد کے سامنے پیارا چوک میں ان کی تقریر ہوئی، ہم نے بھی اور لوگوں کے ساتھ سامعین میں تقریر سنی، تقریر ختم کرنے کے بعد مولانا چھیپوں کی بڑی مسجد کے اوپر حجرہ میں جائے قیام کے لیے تشریف لے گئے، ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے اوپر گئے۔ وہ جب جاکر چار پائی پر بیٹھ گئے تو ہم نے اُن کو سلام کیا اور دست بوسی کی، انہوں نے ہمارے حضرت قبلہ (حضرت قاتل شاہ) اور دادا قبلہ (حضرت شاہ عبدالشکور) کی خیریت معلوم کی اور دریافت کیا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا کہ پوسٹ ماسٹر کی جگہ تبدیل ہو کر یہاں آیا ہوں۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ نے یہاں کچھ سلسلہ کا کام کیا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اگر میرے حضرات کا کرم اور آپ کی دعا شامل حال رہی تو ان شاء اللہ سلسلے کا کام شروع ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ کل صبح کا ناشتہ ہمارے ساتھ کرنا۔ میں عرض کیا کہ میرا ڈاک خانہ صبح جلدی سات بجے کھلتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کے بعد جلدی ہی صبح چھ بجے ناشتہ ہو جائے گا۔ آپ ضرور آئیں لہٰذا دوسری صبح فجر کی نماز کے بعد مولانا کے ساتھ ناشتہ کیا دوسرے روز شام کو پھر محلّہ ناڑی میں مولانا کی تقریر بھی عام سامعین کے ساتھ سنتے رہے۔ وعظ ختم ہونے کے بعد ہم السلام علیکم کرکے مصافحہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کہاں بیٹھے تھے؟ یہاں میرے ساتھ تخت پر آکر بیٹھنا چاہیے تھا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے سامنے بیٹھ کر ہی سننے میں مزا آتا ہے۔[101]

فیض العارفین مولانا شاہ غلام آسی پیا حسنی جہانگیری علیہ الرحمۃ (۱۹۱۷۔۲۰۰۳ء)

فیض العارفین ۱۹۱۷ء کو مشرقی یوپی کے ضلع بلیا کے ایک چھوٹے سے گاؤں سید پورہ میں پیدا ہوئے۔[102] ان کے والد چونکہ شاہ عبدالعلیم آسی سکندر پوری علیہ الرحمۃ (۱۲۵۰۔۱۳۳۵ھ) سے بیعت تھے سو اسی مناسبت سے آپ کا نام غلام آسی رکھا گیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور دادا سے حاصل کی بعد ازاں انہیں بریلی بھیجا گیا۔ جہاں جامعہ مظہر الاسلام مسجد بی بی جی میں حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ (۱۲۹۲۔۱۳۶۲ھ)، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ (۱۳۲۲۔۱۳۸۲ھ) اور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی المتخلص بہ نوری علیہ الرحمۃ (۱۳۱۰۔۱۴۰۲ھ)

سے اکتسابِ علوم فرمایا۔[103] ۱۹۴۰ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔[104] کسبِ علم کے بعد ان کی پہلی تقرری قصبہ آنولہ میں ہوئی۔ جہاں بطور امام وخطیب ایک سال تک رہے [105] فیض العارفین نے اس سلسلہ میں خود لکھا ہے کہ

''یہ بندہ آسی اسی دور میں حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے در سے دستار فضیلت وسند یافتہ ہوکر مذہب اہل سنت کی اشاعت کے لیے مفتی ہوکر قصبہ آنولہ میں آیا تھا۔ اس وقت میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں بریلی شریف میں حضور اعلیٰ حضرت کے بڑے صاجزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب سجادہ کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا۔ جب حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ مبتلائے مرض موت ہوئے تو میری مصروفیات زیادہ ہوگئیں۔ میں زیادہ خدمت میں رہنے لگا۔ میرے اُستاد گرامی حضرت مولانا سردار احمد صاحب شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ بھی تشریف فرما رہے تھے۔ بروز شنبہ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ پردہ فرمانے والے تھے۔ میں سامنے ہی حاضر تھا کہ اچانک حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے دونوں ہاتھ میری جانب بڑھا کر میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر ارشاد فرمایا میں نے تم کو سلسلہ قادریہ میں قبول کیا۔ اس کے بعد فوراً ہی حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ پہ عالم نزع طاری ہوگیا، میں نے سمجھا کہ حضرت نے اپنی خدمت کا صلہ مرحمت فرمایا ہے، میرے اُستاد جو قریب ہی تشریف فرما تھے، فرمایا بے وقوف تمھیں نہیں معلوم کہ حضرت نے تم کو قادری سلسلہ میں قبول فرمالیا، پھر اسی دن رات نو بجے کے بعد اپنے رب کریم کے حضور روانہ ہوگئے۔'' [106]

بعدازاں مولانا سردار احمد کے حسب حکم جامعۃ القادریہ ہریانہ میں بطور شیخ الحدیث رہے اور وہاں درسِ حدیث دیا۔[107] ۱۹۴۴ء میں ان کے برادر اصغر غلام رشید المعروف بہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے (۱۹۲۵۔۲۰۰۲ء) جامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے سند فراغت حاصل کی۔ اور فیض العارفین سے استدعا کی کہ وہ استعفیٰ دے کر ناگپور آجائیں تاکہ یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے اور یوں فیض العارفین استعفیٰ دے کر ناگپور تشریف لائے اور دونوں بھائیوں نے مدرسہ شمس العلوم کی بنیاد رکھی۔[108] علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ (۱۳۵۲۔۱۴۲۲ھ) یہیں کے فارغ التحصیل تھے۔[109] فیض العارفین نے ۱۹۵۲ء تک بطور شیخ الحدیث یہاں پڑھایا۔[110] اسی سال سلطان الاولیا خواجہ محمد حسن شاہ علیہ الرحمۃ کے دستِ مبارک پہ بیعت فرمائی اور یوں درس وتدریس کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔[111] سلطان الاولیا کے اسی دورے میں فیض العارفین نے اپنے چھوٹے بھائی علامہ ارشد القادری کی خلافت کی درخواست کی تو سلطان الاولیا نے وہ تاریخی جملہ کہا کہ جس کی آنے والے وقت نے تصدیق کردی۔ فیض العارفین رقمطراز ہیں کہ

"میں نے (حضرت سلطان الاولیا سے) اپنے بھائی علامہ ارشد القادری سلمہٗ کی خلافت کے لیے عرض کی تو فرمایا وہ دوسرے کام کے لیے ہیں انہیں اپنے حال پہ چھوڑ دو۔"[112]

فیض العارفین کو سلطان الاولیا کے علاوہ درج ذیل مشائخ سے بھی حاصل خلافت تھی۔

مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی المتخلص بہ نوری علیہ الرحمۃ

سید فدا حسین شاہ منعمی علیہ الرحمۃ (م ۹ رذی الحجہ ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء)[113]

علامہ ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمۃ (۱۲۹۴۔۱۴۰۱ھ)[114]

علامہ سید محمد مختار اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمۃ (۱۳۳۴۔۱۴۱۷ھ)[115]

فیض العارفین کا ۹ رذی قعدہ ۱۴۲۴ھ/ ۱۳ر جنوری ۲۰۰۳ء کو وصال ہوا۔[116] مزار مبارک اترالہ (ضلع بلرام پور، صوبہ اُتر پردیش) میں ہے۔[117] فیض العارفین اپنے اُستاد مولانا سردار احمد کو کس قدر عزیز تھے اس کا اندازہ ان کے اپنے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

"حضرت فیض العارفین فرماتے ہیں کہ راجستھان کے علاقہ میں ایک جلسہ کے لیے میں اپنے استاذ و مربی محدث پاکستان حضرت علامہ سردار احمد خاں صاحب کے ساتھ گیا، میرے استاذ و مربی حضرت محدث پاکستان اور حجۃ الاسلام مجھ سے اتنی محبت فرماتے تھے کہ ایک لحہ کے لیے بھی اپنے سے الگ نہیں فرماتے یہاں تک کہ حضرت محدث پاکستان نے میرا نام غلام آسی سے تبدیل کر کے اپنے بیٹے کے نام پر فضل رسول رکھ دیا اور اس کے نام سے پکارنے لگے، چنانچہ جب ہم وہاں پہنچے تو یہ خبر اطراف کے وہابیوں کو بھی ہوئی کہ حضرت علامہ سردار احمد خاں تشریف لائے ہیں تو ان لوگوں نے مناظرے کے لیے انہیں چیلنج کیا، حضرت مجھ پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ فوراً ہی بول پڑے کہ "تم میرے شاگرد فضل رسول (غلام آسی) کو ہی شکست دے دو تو میں اپنی شکست تسلیم کر لوں گا۔"[118]

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ (۱۳۰۰۔۱۳۶۷ھ)، فیض العارفین کے بہنوئی تھے[119]، نیز فیض العارفین نے ان سے بھی اکتساب علم کیا۔[120]

OOOOOOOO

حوالہ جات وحواشی

[1]۔ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار: دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۹ھ، ص ۳۶

[2]۔ انجم، ڈاکٹر نظام یحییٰ: "اخبار الجمال" تاریخ علی گڑھ کا قدیم ماخذ: مشمولہ مجلۂ علوم اسلامیہ: علی گڑھ، ۱۹۸۹ء، ۱۵: ۱، ۲، ص ۱۰۹

[3]۔ ایضاً: ص ۱۱۵

[4]۔ دہلوی: ص ۴۸

[5]۔ پھلواروی، شاہ حسن میاں، تذکرۂ حضرت ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی، لکھنؤ، مطبع مولوی فتح محمد تائب، ۱۵ر جنوری ۱۹۱۱ء، اوّل، ص ۴۷

[6]۔ کاکوروی، شاہ علی انور قلندر، الانتصاح عن نکر اهل الصلاح: لکھنؤ، اصح المطابع آسی پریس، ۱۹۰۹ء دوم، ص ۳۳

[7]۔ اسلامپوری، ابوالفتح سراج الدین محمد عبدالقادر، انوار ولایت: [بہار، ؟]

[8]۔ انہیں یہ لقب اپنے شیخ، سید امداد علی بھاگلپوری سے ملا۔ جیسا کہ سیرت فخر العارفین میں مذکور ہے کہ "حضرت شیخ الشیوخ العالم (سید امداد علی بھاگلپوری) نے بہ اشارت غیبی آپ کو خلافت اور اجازت دی اور لقب جہانگیر شاہ سے ملقب فرما کر رخصت فرمایا۔ (سکندر شاہ، مولانا حکیم سید، سیرت فخر العارفین: ترتیب، مولانا شاہ عبدالقدیر جہانگیری، دہلی، شمع بک ڈپو، ۱۳۵۴ھ، اوّل، ۱۹/۱)

[9]۔ سکندر شاہ: ۱۷/۱

[10]۔ ایضاً: ۱۸/۱، ۱۹

[11]۔ ایضاً: ۱۹/۱

[12]۔ ایضاً: ۱۵/۱

[13]۔ ایضاً: ۱۸/۱

[14]۔ رحمت علی، ڈاکٹر (ہومیو)، مختصر حالات طیبات، حق آگاہ حضرت مولانا سید سکندر شاہ صاحب قبلہ قدس اللہ سرہٗ العزیز: ضمیمہ و مشمولہ، سیرت فخر العارفین: کراچی، ایجوکیشنل پریس، ۱۳۸۳ھ، دوم، ۳۵۱/۱

[15]۔ جس طرح شیخ العارفین سلسلۂ جہانگیریہ کے مؤسس ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت بریلوی کے سلسلہ قادریہ کی ایک شاخ "رضویہ" بھی ان سے موسوم ہے۔

[16]۔ سکندر شاہ: ۲۰/۱، نیز شرح الصدور کا سن اشاعت اندازاً لکھا ہے، کیونکہ حکیم سید سکندر شاہ نے سیرت فخر العارفین میں لکھا ہے کہ "(شرح الصدور) تقریباً پچاس برس کا عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکی۔" (سکندر شاہ: ۲۰/۱)، جبکہ سیرت فخر العارفین پہلا ایڈیشن ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوا تھا۔ حکیم سید سکندر شاہ نے شرح الصدور کا اردو ترجمہ کیا تھا، جو دہلی سے شائع ہوا۔ (رحمت علی : ص ۳۵۴/۱)

[17]۔ سکندر شاہ: ۵۶/۱

[18]۔ ایضاً: ۵۸/۱

[19]۔ ایضاً: ۶۳/۱

[20]۔ ایضاً: ۶۸/۱

[21]۔ ایضاً: ۷۰/۱

[22]۔ ایضاً: ۹۸/۱

[23]- ایضاً: ص ۱/۷۵

[24]- ایضاً: ص ۱/۷۵-۷۶

[25]- ایضاً: ص ۱/۱۰۸

[26]- ایضاً: ص ۱/۱۱۰

[27]- ایضاً: ص ۱/۱۱۹

[28]- ایضاً: ص ۱/۱۹۶-۱۹۷

[29]- رضوی، ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری، حیات اعلیٰ حضرت: ترتیب وتہذیب، مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، لاہور، مکتبہ نبویہ، ۲۰۰۳ء، اول، ص ۲/۱۲

[30]- سکندر شاہ: ص ۱/۲۱۵-۲۱۶

[31]- رضوی: ص ۲/۲۸

[32]- ایضاً: ص ۲/۳۳

[33]- ایضاً: ص ۲/۳۶

[34]- ایضاً: ص ۲/۴۷

[35]- ایضاً: ص ۲/۴۸

[36]- سکندر شاہ: ص ۱/۲۱۹

[37]- ایضاً: سیرت فخر العارفین: دہلی، شمع بک ڈپو، ۱۳۵۴ھ، ص ۳/۳۲۵

[38]- ایضاً

[39]- ایضاً: ۳/۳۲۵-۳۲۶

[40]- ایضاً: ۳/۳۲۷-۳۲۸

[41]- ایضاً: ۳/۳۲۸

[42]- رضوی، ۲/۲۳۸

[43]- سکندر شاہ: سیرت فخر العارفین: کراچی، اقبال بکڈپو، مارچ ۱۹۷۰ء/محرم ۱۳۹۰ھ، ص ۲/۱۵۵-۱۵۶

[44]- تذکرہ غوثیہ میں ہے کہ جب سید غوث علی شاہ قلندر (۱۲۱۹-۱۲۹۷ھ) پیدا ہوئے تو ان کی والدہ صاحبہ کو ایک قسم کا جنون تھا تو ان کے جدِ امجد جناب سید ظہور الحسن نے ان کا دودھ پلانا مناسب نہ سمجھا اور ایک پنڈت رام سنیہی کی بیوی نے انہیں دودھ پلایا اور یوں پنڈت رام سنیہی ان کے رضاعی باپ کہلائے۔ جن کے لیے اشنان کرتے ہردوار گئے۔ (قادری، شاہ گل حسن، تذکرہ غوثیہ: لاہور، اللہ والے کی قومی دوکان، (س۔ن)، ص ۱۶

[45]- قادری، مولانا شاہ احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ: مبارک پور اعظم گڑھ، سنی دار الاشاعت، ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ/اکتوبر ۱۹۸۱ء اول، ص ۶/۱۹۵

اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے :۔ (قادری : ص ۴۶۔۴۷)

اگر چہ فخر العارفین اور اعلیٰ حضرت نے اس کتاب کو انتہائی ناپسند فرمایا لیکن مولانا اشرفعلی تھانوی نے صاحب تذکرہ کی تحسین کی۔ ان کا ایک ملفوظ ہے کہ ''مولوی غوث علی شاہ صاحب پانی پتی کی تعریف میں فرمایا کہ ان کے پاس نافہموں اور بیلوں کا اچھا علاج تھا ....'' (فیوض الرحمٰن، مولانا، فیوض الرحمٰن: مشمولہ، ملفوظات حکیم الامت: ملتان، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، محرم ۱۴۲۳ھ، اوّل، ص ۱۷/۱۸۶)

علاوہ ازیں سید غوث علی شاہ قلندر، علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۱۔ ۱۲۷۹ھ) کے والدِ گرامی علامہ فضل امام (م ۱۲۴۴ھ) کے بھی شاگرد ہیں۔ (قادری: ص ۱۷)

تذکرۂ غوثیہ میں ہے:

''جب ہم دوبارہ رامپور گئے تو سرائے میں ٹھہرے اتفاقاً مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ نہایت محبت و عنایت سے پیش آئے اور اپنے نوکر سے کہا جاؤ آپ کا اسباب اٹھالاؤ میں نے کہا حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجیے کہ بہت آرام سے ہوں کہا اچھا آپ خوش رہیں لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان کے خرچ کا حساب ہمارے ذمہ ہے اگر پانچ روپیہ بھی روز اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم دیں گے لیکن ایک شرط ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے کہیں چلے نہ جائیں۔ ایک روز پچھلی باتوں کا ذکر آگیا اپنے والد بزرگوار کو یاد کر کے روتے رہے ہم نے کہا مولوی صاحب آپ کو وہ دن بھی یاد ہے کہ مولوی صاحب نے تھپڑ مارا تھا اور آپ کی دستارِ فضیلت دور جا پڑی تھی ہنسنے لگے اور فرمایا کہ خوب یاد ہے وہ عجیب زمانہ تھا وہ قصہ اس طرح ......'' (قادری: ص ۱۷)

[46]۔ عنایت حسن شاہ، خواجہ محمد، اعجاز جہانگیری: بھینسوڑی شریف (رامپور)، صوفی محمد فصاحت حسن شاہ، دسمبر ۱۹۸۴ء، اوّل، ص ۱۳

[47]۔ عنایت حسن شاہ: ص ۱۴

[48]۔ ایضاً: ص ۱۸

[49]۔ ایضاً: ص ۱۸۔ ۱۹

[50]۔ نواب حیدر علی خاں پنی رئیس کرویہ (ضلع میمن سنگھ) نواب سر سلیم اللہ خاں کے بڑے سالے اور سیدنا فخر العارفین کے مرید تھے۔ (سکندر شاہ: ص ۱/۳۴۴)

[51]۔ اگر چہ شاہ عنایت حسن نے انہیں فخر العارفین کا مرید و خلیفہ لکھا ہے (عنایت حسن شاہ: ص ۱۶) مگر حکیم سید سکندر شاہ نے ''سیرت فخر العارفین (ج ۳)'' میں خلفا کرام کے تذکرہ میں ان کا ذکر بطور خلیفہ نہیں کیا۔ ڈپٹی صاحب ''یادگار جہانگیری مع آئینۂ جہانگیری'' کے مرتب ہیں اور یہ مجموعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں دہلی سے باہتمام حضرت شاہ عبدالقدیر دہلوی جہانگیری علیہ الرحمۃ (۱۲۹۹۔ ۱۳۷۸ھ) شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۸۳ھ میں باہتمام حضرت سید رحمت علی شاہ جہانگیری علیہ الرحمۃ کراچی سے شائع ہوا۔

[52]۔ عنایت حسن شاہ: ص ۱۷

[53]۔ سکندر شاہ: ص ۳/ ۱۳۰

[54]۔ ایضاً: ص ۱/ ۳۴۴

[55]۔ ایضاً: ص ۳/ ۱۳۶

[56]۔ شاہ عنایت حسن نے جناب پہلوان سہراب خاں کا ذکر رامپور میں اس خاندان کے قابل ذکر افراد میں کیا ہے۔ (عنایت حسن شاہ: ص ۹)

[57]۔ جہانگیری، مولانا غلام آسی پیا حسنی، سلطان الاولیا المعروف بہ چراغ ابوالعلائی: ناگپور، غلامان حسنی آسی نگر، ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء، اوّل، ص ۹۵

[58]۔ شکوری، مستان شاہ، ذکر تاج الاولیا: لاہور، قاضی سنز پبلشرز، فروری ۱۹۷۷ء، اوّل، ص ۵

[59/ 60]۔ ایضاً: ص ۷

[61]۔ ایضاً: ص ۱۳

[62]۔ ایضاً: ص ۱۵

[63/ 64]۔ ایضاً: ص ۱۶

[65]۔ ایضاً: ص ۲۹

[66]۔ ایضاً: ص ۳۱

[67]۔ مولانا عبدالستار شاہ المتخلص بہ تیغ علیہ الرحمۃ (م ۱۹۴۶ء)، شاہ محمد عبدالشکور کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے حکیم علی احمد شاہ المعروف بہ علاء الدین شاہ علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۰ء) تھے۔ جبکہ سب سے چھوٹے صاحبزادہ محمد عبدالرؤف المتخلص بہ نیر (م ۱۹۷۰ء) تھے۔ (شکوری: ص ۲۵۔ ۲۶)

[68]۔ جہانگیری: ص ۳۵۔ ۳۶

[69]۔ ایضاً: ص ۳۲

[70]۔ حضرت مستان شاہ نے ۱۳۴۵ھ کو شہر رام پور میں وصال فرمایا، مزار حضرت سید عبداللہ الملقب بہ شاہ بغدادی المعروف بہ بنے میاں علیہ الرحمۃ (م ۱۲۰۷ھ) کی درگاہ کے مشرقی جانب دیوار سے متصل بنا ہوا ہے۔ (جہانگیری: ص ۳۹)، (شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رامپور: تصحیح و اضافہ (۱)، شعائر اللہ خان، تصحیح و اضافہ (۲) حکیم محمد حسین شفا، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۸۶ء، دوم، ص ۸۲)

[71]۔ چاندپوری، قائم، کلیات قائم (ج ۱): مرتبہ، اقتدا حسن، لاہور، مجلس ترقی ادب، دسمبر ۱۹۶۵ء، اول، ص ۴

[72]۔ جہانگیری: ص ۴۱

[73]۔ بروایت مرشدی و مولائی حضرت خواجہ صوفی محمد نواز شاہ مدظلہ العالی (پ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۶ء)، انہوں نے یہ روایت اپنے شیخ حضرت خواجہ صوفی محمد نقیب اللہ شاہ علیہ الرحمۃ (۱۸۹۵۔ ۱۹۹۵ء) سے سماعت فرمائی اور انہوں نے اپنے شیخ سلطان الاولیا خواجہ محمد حسن شاہ علیہ الرحمۃ سے۔

[74]۔ جہانگیری: ص ۴۳

[75]۔ عنایت حسن شاہ: ص ۵۹

[76]۔ بروایت، مرشدی و مولائی

[77]۔ جہانگیری: ص ۷۰

[78]۔ ایضاً: ص ۶۲

[79]۔ ایضاً: ص ۸۹

[80]۔ ایضاً: ص ۲۷

[81]۔ قائلی، ڈاکٹر (ہومیو) محمد امین قادری، سلطان سندھ: لاہور، محمد اسحاق روموی، محمد اشفاق روموی، (س۔ن)، ص ۶

[82]۔ بریلوی، علامہ شمس، مرقع شاہ قائل: کراچی، فضل محمد شاہ قادری قائلی روموی، (س۔ن)، ص ۱۲۳

[83]۔ ایضاً: ص ۱۲۳

[84]۔ روحی، شاہ محمد عمر، روئے کتابی: حیدرآباد، محمد نظر رضا شاہ، (س۔ن)، ص ۷

[85]۔ قائلی: ص ۱۵

[86]۔ ایضاً: ۱۶

[87]۔ قائلی: ص ۴۲

[88]۔ ایضاً: ص ۴۳

[89]۔ بریلوی: ص ۱۲۷

[90]۔ قائلی: ص ۴۱

[91]۔ قادری، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ: کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، جولائی ۱۹۸۸ء ص ۷ر۵۴۰

[92]۔ رجسٹر اندراج غلامان جہانگیری (خطی)، مملوکہ، شاہ عطاء الرحمٰن (ڈھوک عبد الوہاب روموی)

[93]۔ روحی: ص ۲

[94]۔ ایضاً: ص ۳۔۴

[95]۔ ایضاً: ص ۴

[96ر 97]۔ ایضاً: ص ۷

[98]۔ ایضاً: ص ۱۶

[99]۔ ایضاً: ص ۳۷

[100]۔ قدیر القادری، شاہ قدیر احمد (مرتبہ)، باب عظمت: حیدرآباد (سندھ)، مکتبہ سعیدیہ، جنوری ۱۹۸۵ء، اوّل، ص ۱۱

[101]۔ روحی: ص ۱۴۱۔ ۱۴۲

[102]۔ خوشتر نورانی، اور اک آن میں ہوئی محفل درہم برہم (خطی): ص ۱

[103]۔ جہانگیری: ص ۹۳۔ ۹۴، خوشتر نورانی، ص ۱

[104]۔ خوشتر نورانی، ص ۲

[105]۔ جہانگیری: ص ۹۴، خوشتر نورانی: ص ۲

[106]۔ جہانگیری: ص ۹۴

[107 / 108 / 109]۔ خوشتر نورانی: ص ۲

[110]۔ اگرچہ مولانا خوشتر نورانی نے ناگپور میں تدریس کا دورانیہ تقریباً دس سال لکھا ہے (خوشتر نورانی، ص ۲) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سلطان الاولیا سے بیعت کے بعد مشغلۂ تدریس کو خیر آباد کہا۔ (خوشتر نورانی، ص ۳) حالانکہ مولانا آسی نے حضرت سلطان الاولیا کی ناگپور آمد ۱۹۵۲ء لکھی ہے۔ (جہانگیری، ص ۹۶) اور بقول مولانا خوشتر وہ ۱۹۴۴ء میں ہریانہ سے ناگپور تشریف لائے تھے۔ (خوشتر نورانی، ص ۲) اس حساب سے مولانا آسی نے تقریباً آٹھ سال ناگپور میں پڑھایا۔

[111 / 112]۔ جہانگیری: ص ۹۷

[113]۔ ان کا تعلق سلسلۂ قادریہ ابوالعلائیہ منعمیہ سے ہے۔ یہ اپنے والد گرامی سید شاہ علی حسین منعمی علیہ الرحمۃ کے مرید و خلیفہ و سجادہ نشین تھے، اور وہ اپنے والد سید شاہ غلام حسین منعمی علیہ الرحمۃ کے، اور وہ سید شاہ قمر الدین حسین منعمی کے اور وہ حکیم مظہر حسین شاہ کے اور وہ شاہ فرحت اللہ المخاطب بہ حسن دوست علیہ الرحمۃ (م ۱۲۳۶ھ) کے اور وہ مخدوم شاہ محمد منعم پاکباز علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ سید شاہ فدا حسین کا مزار پٹنہ میں ہے۔ (نظامی، سید قیام الدین (کراچی، مؤلف، شرفا کی نگری [۲،۱])، ٹیلی فونک گفتگو: ۳۰ر جنوری ۲۰۰۶ء)

[114]۔ طاہر، حافظ محمد، ضیائے مدینہ: لاہور، رضا دار الاشاعت، اکتوبر ۱۹۹۸ء/رجب ۱۴۱۹ھ، ص ۳۴۰

[115]۔ خوشتر نورانی: ص ۳

[116]۔ خوشتر نورانی، ای۔میل: بنام خلیل احمد رانا، ۱۶ر دسمبر ۲۰۰۵ء۔

[117]۔ خوشتر نورانی، ای۔میل: بنام خلیل احمد رانا، ۳۱ر جنوری ۲۰۰۶ء۔

[118]۔ خوشتر نورانی: ص ۲

[119]۔ جہانگیری: ص ۴۵

[120]۔ قادری، حافظ محمد عطاء الرحمٰن، سیرت صدر الشریعہ: لاہور، مکتبہ اعلیٰ حضرت، جمادی الآخر ۱۴۲۴ھ اکتوبر ۲۰۰۳ء، اول، ص ۲۰۰

امام احمد رضا اور اصلاحِ خواتین

از: غلام مصطفیٰ رضوی، باسنی، ناگور شریف، راجستھان

صدیاں گذر جاتی ہیں تب کہیں کسی قوم وملت کو ایسے قیمتی ہیرے ملتے ہیں جن کی چمک دمک سے تاریخ منور ہوجاتی ہے۔ امام احمد رضا ایک دینی اور علمی جوہر تھے۔ جو خدائی فضل وکرم، عنایتِ مصطفوی، فیضانِ اکابر سے ایسا چکا کہ پھر زندگی بھر اس کی درخشندگی و تابانی سے ملتِ اسلامیہ فائدہ وفیض حاصل کرتی رہی۔ خدا داد صلاحیتوں سے وہ ایسے کارنامے انجام دے گئے کہ آج دنیا بھر میں اپنے ہی نہیں بیگانے بھی اعترافِ حقیقت کر رہے ہیں۔ ان کی دینی وعلمی مجالس میں بیٹھنے والے لوگ خود بے نظیر ہوتے تھے۔ مگر امام احمد رضا کے علم وعمل، کردار وگفتار کو دیکھ کر یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "بے شک یہ عالمِ کبیر، محدثِ عظیم، مفکرِ بے بدل، مصلحِ بے مثال بلکہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ آپ کے تجدیدی کارناموں اور فقہ میں اہم فیصلوں کے پیش نظر سید حسین بن عبدالقادر طرابلسی، شیخ موسیٰ علی شامی ازہری اور الحاج محمد کریم اللہ مہاجر مدنی (خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) نے آپ کو مجدد کے لقب سے سرفراز فرمایا۔[۱]

دنیا کا وہ کونسا خطہ ہے جہاں امام احمد رضا کے نام اور کام کے ڈنکے نہ بجتے ہوں۔ اُن کے نام سے اہلِ عشق کو سکونِ دل اور راحتِ جاں میسر آرہی ہے۔ ان کی تصانیف اصلاحِ اعتقاد واعمال میں نمایاں رول ادا کر رہی ہیں۔ علمی حلقوں میں آپ کی نگارشات کا وزن محسوس ہونے لگا ہے اور تعصب وتنگ نظری کے دبیز پردے چاک ہو رہے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

امام احمد رضا کی دینی خدمت، علمی جلالت، فکری اصابت، اسلوبِ دعوت اور حکمت وموعظت پر بہت کچھ لکھا گیا اور ان شاء اللہ ہنوز لکھا جاتا رہے گا۔ تاہم قوم وملت کو بیدار کرنے کے لیے، ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے کے لیے آپ نے جو کاوشیں کی ہیں وہ بھی تفصیل سے لکھی جانی چاہئیں۔ اس سلسلے میں آپ کی تصانیف کے مطالعہ کی بھی خوب ضرورت ہے۔ امام موصوف کی اصلاحی خدمات کے حوالے سے ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی رقمطراز ہیں:

"حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا نے اگر ایک طرف شریعت کے مشکل ترین مسائل کی عقدہ کشائی میں دلچسپی لی تو دوسری طرف دانشورانِ قوم کی بے راہ روی اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی غیر شرعی رسم ورواج کو مٹانے کے لیے جد وجہد فرمائی اور مصلحِ قوم اور مجددِ دین وملت کی حیثیت سے تقریری اور تحریری طور پر بدعات ومنکرات کی تردید فرمائی اور عوام الناس کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ سجدۂ تعظیمی، فخر بالنسب، مراسمِ محرم، تعزیہ داری، عورتوں کے

لیے زیارتِ قبور، بد مذہبوں سے رشتے، ہنود کے مذہبی میلوں میں شرکت، قبر پر نماز، فرضی قبریں...... ایسی نہ جانے کتنی خرافات کی چیزیں مسلم معاشرے میں رائج تھیں اور ہیں۔ ان سب کی تردید میں آپ نے کتابیں لکھیں اور اس کے خلاف فتوائے شرع صادر کیا۔ چونکہ آپ کی آنکھوں میں شریعت کا نور اور فقہ اسلامی کا کیف و سرور ہوتا تھا اس لیے بدعات و منکرات کے خلاف جو بھی فیصلے آپ صادر فرماتے وہ حق اور اٹل ہوتے۔

احکام شرع کے صدور میں مولانا محمد احمد مصباحی کے بقول آپ کا درج ذیل طریقہ کار ہوتا۔

"نہ تو اس میں افراط ہے کہ بدعت کو شرک، گناہ کو کفر، مکروہ تنزیہی کو حرام یا کم از کم صغیرہ بلا اصرار کو کبیرہ، خفی کو جلی کہہ دے۔ نہ اس میں تفریط ہے کہ مکروہ یا خلاف اولیٰ کو غیر مکروہ و مستحب، بدعت کو سُنّت، منکر کو معروف یا ناجائز کو جائز کہہ دے۔ اعتدال ہے اور صرف اعتدال۔ یہی وہ اصلاح ہے جو فساد انسداد سے پاک ہے۔" [۲]

زیر نظر مضمون میں اصلاح خواتین سے متعلق امام موصوف کے کردار کو پیش کرنے کی کچھ کوشش کی گئی ہے۔

پردے سے متعلق اسلام نے جو احکام جاری فرمائے ہیں وہ بے مثال ہیں۔ بلاشبہ عورت پردے میں ہی بھلی لگتی ہے۔ اس کی عزت و ناموس کے تحفظ میں پردہ اہم رول ادا کرتا ہے۔ جو عورتیں آزادانہ طور پر بے پردہ بازاروں میں گھومتی پھرتی ہیں وہ اغیار کی نظرِ بد سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ نہ جانے کتنی بھوکی نگاہیں ان کو تاکتی رہتی ہیں اور معاملہ فتنہ تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ اسی لیے تو رسول محترم علیہ الصلاۃ والسلام نے نظرِ بد کو شیطان کے تیروں میں سے ایک "تیر" فرمایا ہے۔

امام احمد رضا خاں قادری عورتوں کو پردے کی برابر تاکید فرماتے رہتے۔ آپ نے متعدد احادیث کریمہ اپنی کتابوں میں نقل فرمائیں جن سے پردے کی اہمیت وافادیت واضح ہوتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف اور اپنے رسالہ "جمل النور فی نهی النسآء عن زیادۃ القبور" میں بطور خاص پردے کے احکام بیان فرمائے۔ غیر محرم اگر چہ نابینا ہو اس سے بھی پردہ کی تاکید فرماتے۔ غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرماتے۔ ترمذی شریف کے حوالے سے یہ حدیث فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم میں نقل فرماتے ہیں:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال نہیں کسی عورت کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ ایک منزل، اور ایک روایت میں ہے کہ تین منزل سفر کو جائے جب تک ساتھ میں شوہر یا وہ رشتہ دار نہ ہو جس سے ہمیشہ ہمیشہ نکاح حرام ہے۔"

اس حدیث پاک کے تحت یہ فکری حاشیہ امام احمد رضا نے رقم فرمایا:

"اگر عورت حج کو جانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے کسی محرم کو ساتھ لے، یا حج سے واپسی تک کے لیے نکاح کرے اگرچہ ستر اسی سال والے سے ہو جو اس کے ساتھ آئے جائے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ بے محرم یا شوہر کے جانا صادق نہ ہو۔ باقی مقاصدِ زوجیت ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں۔ اور اگر اندیشہ ہو کہ بعد واپسی طلاق نہ دے تو نکاح یوں کیا جائے کہ عورت کہے: مَیں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ جب تو مجھے حج کو لے جائے اور واپس آئے تو واپس اپنے مکان پہنچتے ہی مجھ پر طلاق بائن ہو۔ مرد کہے مَیں نے قبول کیا۔ اس شرط پر کہ جب میں تجھے حج کو لے جاؤں الی آخرہ۔ یوں اگر وہ ساتھ نہ جائے تو طلاق ہو جائے گی اور ساتھ جائے تو واپس پہنچتے ہی طلاق ہو جائے گی بغیر اس کے جو قدم رکھے گی گناہ میں لکھا جائے گا۔" [۳]

اندھے سے پردہ کرنے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں امام موصوف رقمطراز ہیں:

"اندھے سے پردہ ویسا ہی ہے جیسا آنکھ والے سے ہے۔ اور اُس کا گھر میں جانا، عورت کے پاس بیٹھنا ویسا ہی ہے جیسا آنکھ والے کا۔" (واللہ تعالیٰ اعلم) [۴]

بے پردگی سے آج کتنا نقصان ہو رہا ہے اس کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ انگریزی وضع قطع اختیار کرنے میں عورتیں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی اس سلسلے میں تفصیل سے ارقام فرماتے ہیں:

"جو وضع لباس و طریقۂ پوشش اب عورات میں رائج ہے کہ کپڑے باریک جن میں سے بدن چمکتا ہے یا سر کے بالوں یا گلے یا بازو یا کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کا کوئی حصہ کھلا ہو۔ یوں تو سوا خاص محارم کے جن سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے۔ کسی کے سامنے ہونا سخت حرام قطعی ہے۔ اور اگر بفرضِ غلط کوئی عورت ایسی ہو بھی کہ ان امور کی پوری احتیاط ہمیشہ رکھے، کپڑے موٹے سر سے پاؤں تک پہنے رہے کہ منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں تلوؤں کے سوا جسم کا کوئی بال کبھی ظاہر نہ ہو تو اس صورت میں بھی جب کہ شوہر ان لوگوں (غیر محرم) کے سامنے آنے سے منع کرتا اور ناراض ہوتا ہے تو اب یوں سامنے آنا بھی حرام ہو گیا۔ عورت اگر نہ مانے گی اللہ قہار کے غضب میں گرفتار ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو عورت اپنے گھر سے باہر جائے اور اس کے شوہر کو ناگواری ہو جب تک پلٹ کر آئے آسمان میں ہر فرشتہ اس پر لعنت کرے۔ اور جن و آدمی کے سوا جس چیز پر سے گزرے سب اس پر لعنت بھیجیں۔" [۵]

عورتوں کے لیے زیارتِ قبور :- عورتوں کے مزاراتِ اولیا و قبورِ صالحین پر جانے کے بارے میں سوال ہوا تو امام احمد رضا نے جواب یوں ارقام فرمایا:

''عورتوں کو زیارتِ قبور منع ہے۔ حدیث میں ہے لعن اللّٰہ زائرات القبور ' اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔

مجاور مردوں کو ہونا چاہیے عورت مجاور بن کر بیٹھے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بدعت ہے۔ عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا جس میں بعض اوقات مردوں کے ساتھ تنہائی بھی ہوگی اور یہ حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم'' [۶]

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد ہوا۔

''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لعن اللّٰہ زوّارات القبور اور فرماتے ہیں ﷺ: کُنتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ اَلا فَزُوْرُوْھَا۔ علما کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت کے بعد انھی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا نہیں؟ اصح یہ ہے کہ داخل ہیں کما فی بحرالرائق۔'' [۷]

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: ''اصح یہ ہے کہ عورتوں کو قبروں پر جانے کی اجازت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم'' [۸]

آج کل خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بھی عورتیں خوب جا رہی ہیں جب کہ ان بزرگانِ دین کی نیاز فاتحہ گھر پر بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ بہت سے بڑے لوگ جو معزز سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اپنی بیویوں کو اجمیر شریف لے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا خاں قادری کے زمانے میں بھی لوگ عورتوں کو درِ خواجہ پر لے جاتے ہوں گے۔ اس لیے آپ سے سوال ہوا کہ حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا کی فکر، اسلامی فکر تھی اور اس فکر اسلامی میں وہ ہر مسلمان کو رنگ جانے کی تلقین فرماتے تھے۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی غیر شرعی کاموں سے منع کرنا آپ کی عادتِ شریفہ تھی۔ منکرات و منہیات میں ملوث افراد کی اصلاح آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ معاشرتی لغویات کے تدارک کے لیے کی گئی آپ کی کاوشوں کو دیکھ کر اپنے اور غیر بھی متاثر ہوئے۔ بدعات و منکرات کے خلاف رضوی قلم جب بھی اُٹھا نت نئے گل کھلتے گئے اور اپنے مقاصد حسنہ میں امام موصوف کو کامرانی نصیب ہوتی رہی۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری ایم اے، پی، ایچ ڈی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ ''اگر امام احمد رضا بریلوی کو اس صدی کا سب سے بڑا سماج سدھارک کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔''

امام موصوف دور اندیش تھے انہیں معلوم تھا کہ فتنوں کے اس دور میں تو اور زیادہ ضروری ہے کہ عورتیں مزارات پر جانے سے روکی جائیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

''غنیۃ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس

عورت پر لعنت کس قدر ہوتی ہے اللہ کی طرف سے، اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے، جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضہ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں، وہاں کی حاضری البتہ سُنّتِ جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے۔" [۹]

آج بھی فتنوں سے بچنے کے لیے اگر عورتیں گھروں سے باہر نکلنا بند کر دیں اور صرف ضرورت کے لیے ہی باپردہ باہر نکلیں تو ان کی عزت و ناموس کی حفاظت ہو سکے گی۔ بزرگانِ دین کے فیوض و برکات حاصل کرنے کے اور بہت سے ذرائع ہیں۔ اُن کے پیغامات پر عمل کرنا اُن کے فیوض حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے وہ راضی ہوں گے اور نظر کیمیا اثر سے دین و دنیا دونوں سنور جائیں گے۔

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات اور دستورِ زندگی ہے اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس مذہب مہذب نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی محنت و مزدوری کرنے کے ذرائع عطا کیے۔ مگر اسلام چاہتا ہے کہ ایک عورت (یعنی چھپانے کی چیز) ہے) اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کے ساتھ ملازمت وغیرہ کے لیے نکلے۔ آج یورپی ممالک کی نقالی میں ہمارے یہاں بھی عورتوں میں شرم وحیا، پاک بازی و پاک نظری قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری بیٹیوں اور بہنوں کا گوہر عفت وعصمت دن دہاڑے لُٹ رہا ہے۔ آج عورت اپنے حقیقی دائرہ عمل سے ہٹ کر مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کام تو مردوں جیسے کرنا چاہتی ہے مگر اس کی طبعی صلاحیتیں اور نسوانیت کے مظاہرے اس کے لیے رکاوٹ بن رہے ہیں۔ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے عورتوں کی ملازمت کا سوال ہوا تو آپ نے بڑی وضاحت کے ساتھ جواب ارشاد فرمایا، ملاحظہ کریں:

"یہاں پانچ شرطیں: (۱) کپڑے باریک نہ ہوں جن سے سر کے بال یا کلائی وغیرہ ستر کا کوئی حصہ نہ چمکے۔ (۲) کپڑے تنگ نہ ہوں جو بدن کی ہیأت ظاہر کریں۔ (۳) بالوں یا گلے یا پیٹ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہوتا ہو۔ (۴) کبھی نامحرم کے ساتھ کسی خفیف دیر کے لیے تنہائی نہ ہوتی ہو۔ (۵) اس کے وہاں رہنے یا باہر آنے جانے میں کوئی مظنہ فتنہ (یعنی فتنے کا گمان) نہ ہو۔ یہ پانچوں شرطیں اگر جمع ہیں تو حرج نہیں اور ان میں سے ایک بھی کم ہے تو "حرام" ہے۔" [۱۰]

مندرجہ بالا اقتباس سے امام موصوف کی دینی فکری صلاحیتوں کا اندازہ بھی ہو رہا ہے اور ملت کے تئیں سچی ہمدردی کا اظہار بھی واضح ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اسلام مسلم مردوں اور عورتوں کی زندگی کو پُربہار اور نفع بخش دیکھنا چاہتا ہے اسی لیے اس کی

تعلیمات و ہدایات میں بہار ہی بہار ہے۔ اسلامی تعلیمات بلاشبہہ دونوں جہان کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ ہر نیک اور جائز کام اسلام میں روا رکھے گئے۔ اسلام زینت و آرائش کی اجازت دیتا ہے مگر اس شرط پر کہ یہ چیزیں شریعت کی حدود میں رہ کر اختیار کی جائیں۔ سونا چاندی کے زیورات پہننا عورتوں کے لیے جائز ہے جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہے اور مردوں پر حرام"۔

رہا سونا چاندی کے علاوہ دوسری دھات کے زیورات، تو اس بارے میں امام احمد رضا ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

"فتاویٰ شامیہ میں جوہرہ سے ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لیے لوہے، پیتل، تانبے اور سیسے کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے اور اس میں غایۃ البیان سے منقول ہے کہ سونے اور پیتل کی انگوٹھی حرام ہے۔" [۱۱]

اسی طرح آپ سے دریافت کیا گیا کہ

"اکثر عورتیں مُنہار (یعنی چوڑیاں بنانے اور بیچنے والے) کو بلا کر پردہ میں سے ہاتھ نکال کر منہار کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چوڑیاں پہنتی ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب میں آپ نے فرمایا: "حرام، حرام، حرام ہے ہاتھ دکھانا غیر مرد کو "حرام" ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا "حرام" ہے۔ جو مرد اسے اپنی عورتوں کے ساتھ روا (یعنی جائز) رکھتے ہیں، دیوث (یعنی بے غیرت) ہیں۔" [۱۲]

امام احمد رضا جتنے بڑے عالم و مبلغ تھے اتنے ہی بڑے عاملِ شریعت اور پابندِ سُنّتِ مصطفوی بھی تھے۔ کسی بھی حکمِ شرعی کو بیان کرنے سے پہلے اپنی زندگی میں اُسے ڈھالنے کی کوشش فرماتے۔ ان کے گفتار و کردار کو دیکھ کر بڑے بڑے ائمہ علم وفن متاثر ہوئے اور داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ میری بات کی تائید کے لیے مندرجہ ذیل حکم شریعت ملاحظہ کریں۔ پھر امام احمد رضا کی بات ہوگی۔

عورت کے لیے جس طرح غیر محرم سے پردہ ہے اسی طرح پیر سے بھی پردہ ہے۔ اس سے متعلق امام موصوف لکھتے ہیں:

"بے شک ہر غیر محرم سے پردہ فرض ہے، جس کا اللہ و رسول نے حکم دیا ہے جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔ بے شک پیر مریدہ کا محرم نہیں ہو جاتا۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے بڑھ کر اُمت کا پیر کون ہوگا؟ اگر پیر ہونے سے آدمی محرم ہو جاتا تو چاہیے تھا کہ نبی سے اس کی اُمت سے کسی عورت کا نکاح نہ ہوسکتا۔" [۱۳]

ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ العزیز بیان فرماتے ہیں:

"کاشانہ اقدس کے شمالی رویہ دالان کے درمیانی محراب میں ایک ڈوری بندھی ہوئی رہتی تھی جس پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ جب کوئی عورت بیعت کے لیے آتی پردہ کے اس پار انہیں بٹھاتے اور اپنا رومال مبارک بجائے ہاتھ میں ہاتھ لینے کے بڑھا دیتے۔ اس کا ایک سرا عورت پکڑتی اور دوسرا حضور کے دستِ مبارک میں ہوتا اور کلماتِ توبہ تلقین فرماتے۔" [۱۴]

ایک مرتبہ آپ "مدرسۃ الحدیث" پیلی بھیت کے سالانہ جلسے میں تشریف لائے۔ بعد فراغت ایک صبح حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ "شاہ صاحب بغیر پردے کے عورتوں کو بیعت کررہے تھے۔ آپ احکامِ شرع پر کمالِ غیرت کے تقاضے کے سبب بغیر ملے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔ جب شاہ جی کو معلوم ہوا تو اسٹیشن پر خود ملنے کے لیے آئے اور آیندہ عورتوں کو پردے میں بیعت کرنے کا وعدہ کیا۔ تب آپ نے ان سے ہاتھ ملایا اور گلے ملے۔" [۱۵]

اللہ کریم ہماری مسلم خواتین کو تعلیماتِ امام احمد رضا پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حوالے:

(۱) کلیاتِ مکاتیبِ رضا: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی جلد اوّل ص ۱۳ مطبوعہ کلیر شریف

(۲) پیغامِ رضا کا امام احمد رضا نمبر ص ۸۹، ۹۰

(۳) فتاویٰ رضویہ: امام احمد رضا، ۴/ ۶۸۴

(۴) امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات: علامہ یٰس اختر مصباحی، ص ۲۸۳

(۵) ایضاً ص ۲۸۴

(۶) فتاویٰ رضویہ: امام احمد رضا، ۴/ ۱۶۵

(۷) ایضاً ۴/۱۶۵

(۸) امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات: علامہ یٰس اختر مصباحی، ص ۲۷۰

(۹) الملفوظ: مرتبہ: مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری، ۲/ ۱۰۷

(۱۰) فتاویٰ رضویہ: امام احمد رضا، ۱۰/ ۲۵۲

(۱۱) فتاویٰ رضویہ: ۱۰/ ۱۵

(۱۲) رہنمائے کامل حصہ دوم: مفتی محمد اکمل قادری ص ۴۳

(۱۳) یادگارِ رضا، ممبئی: ۲۰۰۶ مرتبہ: غلام مصطفیٰ قادری، ص ۲۴

(۱۴) حیاتِ اعلیٰ حضرت مولانا ظفر الدین بہاری، ۲/ ۲۱

(۱۵) رہنمائے کامل حصہ اوّل: مفتی محمد اکمل قادری، ص ۱۷

رضا جو دل کو بنانا ہے جلوۂ گاہ حبیب ﷺ

﴿اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی "تواضع و انکساری"﴾

از: محمد شریف رضا عطاری، کراچی، پاکستان
Shareefsabzwari@yahoo.com

رضا جو دل کو بنانا ہے جلوہ گاہِ حبیب
تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

مشہور مقولہ ہے کہ "عبادت کی جان عجز ہے، جس طرح ہڈی کے گودے سے اعضا مضبوط ہوتے ہیں اسی طرح عجز کے گودے سے عبادت میں جان پڑتی ہے۔"

امام غزالی علیہ الرحمہ اپنی تصنیفِ لطیف "منہاج العابدین" میں تواضع کی تقسیم کچھ اس طرح فرماتے ہیں: ۱) تواضع عام ۲) تواضع خاص

تواضع عام تو یہ ہے کہ بندہ معمولی حیثیت کے لباس، مقام، رہائش اور سواری پر اکتفا کرے۔
پھر آگے تواضع خاص کے متعلق فرماتے ہیں:

تواضع خاص یہ ہے کہ ہر درجے کا انسان اپنے نفس کو "حق" کے تابع کرنے کی کوشش کرے۔
اب ان کے مستحکم کرنے کے متعلق کچھ یوں رقم طراز ہیں:

"اور تواضع عام کو اپنے اندر مضبوط اور مستحکم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنی ابتدائی حالت، پیدائش اور اموات اور اس موجودہ "وقت" کی پریشانیوں اور آلودگیوں کو یاد کرے۔"

اور تواضع خاص کے متعلق فرماتے ہیں:

"تواضع خاص کو مستحکم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ حق سے عدول کرنے اور باطل میں منہمک ہونے والے شخص کے انجام اور اس کے عذاب و سزا کو یاد کرے ایک صاحب بصیرت انسان کے لیے آفات قلب پر مطلع ہونے کے لیے اس قدر وضاحت و بیان کافی ہے۔" وللہ الموفق ولی التوفیق.

﴿منہاج العابدین۔ ۱۳۵/۱۳۴﴾

اسی طرح اسلاف علیہ الرحمہ کے بیشتر "واقعات" تاریخ کے اعلیٰ "شاہ کار" ہیں۔ جس کا ذکر بھی اسی تمہید میں پیش نظر ہے۔

اسلاف علیہ الرحمہ

☆...... حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پیوند لگی چادر کے حوالے سے اعتراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے

لوگ مومن کی اقتدا کرتے ہیں۔ اور دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔ ﴿احیاء العلوم، ج ۳، صفحہ ۷۹۸﴾

☆...... حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کے پیچھے ایک جماعت چلنے لگی تو آپ نے ان کو منع فرمایا اور فرمایا اس سے بندے کے دل میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ﴿احیاء العلوم، ج ۳، صفحہ ۷۹۶﴾

تواضع کس حد تک ہو......

اب رہا سوال یہ کہ تواضع کس حد تک ہو تو امام غزالی علیہ الرحمۃ الباری اس نکتہ کی عقدہ کشائی کچھ اس طرح فرماتے ہیں: "تواضع اس حد تک کی جائے، جس میں ذلت و ہلکا پن نہ ہو۔ کیوں کہ تمام امور میں افراط و تفریط قابلِ مذمت ہے اور اعتدال اللّٰہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

پس جو آدمی اپنے جیسے لوگوں سے آگے بڑھے وہ متکبر ہے اور جو اُن سے پیچھے رہے وہ تواضع کرنے والا ہے۔ کیونکہ متواضع وہ ہوتا ہے جو استحقاق کے مطابق قدر و منزلت سے کچھ کم کرے اور جب کسی عالم کے پاس موچی آئے اور وہ اس کے پیچھے دروازے تک جائے تو اس عالم نے ذلت و رسوائی کو گلے لگایا، یہ بھی ناپسندیدہ بات ہے۔ بلکہ اللّٰہ تعالیٰ کے ہاں اعتدال پسندیدہ ہے۔ یعنی ہر حق دار کو اس کا حق دے۔"

اسی طرح آگے "ایک عام آدمی کے لیے عالم کی تواضع" کے متعلق فرماتے ہیں:

"کسی بازاری کے لیے عالم کی تواضع اسی قدر ہے کہ اس کے لیے کھڑا ہو اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرے، سوال کرنے میں نرمی اختیار کرے اور اس کی دعوت قبول کرے، اس کی حاجت وغیرہ پوری کرنے کی کوشش کرے اور اپنے آپ کو بہتر نہ سمجھے بلکہ دوسروں کی نسبت اپنے بارے میں زیادہ خوف ہو۔ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے اور نہ ہی چھوٹا سمجھے، کیونکہ یہ خود اپنے خاتمے کے بارے میں نہیں جانتا۔"

﴿احیاء العلوم، ج ۳، صفحہ ۸۲۹﴾

اس ساری بحث سے یہ "نکتہ" واضح و واشگاف ہو جاتا ہے کہ علما کرام اور ایک عالم کی عاجزی میں امتیاز ہے، اور اسی طرح اس میں ایک دوسرا نکتہ یہ نکلتا ہے کہ عالم کو عاجزی و انکساری میں خود کے مرتبے کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے اور ایسے کام سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کہ جس سے اس کی تذلیل ہو کیونکہ ایک عالم سے ایک عالَم جڑا ہوتا ہے، کہ اس کی ذلت و رسوائی درحقیقت اس کی رسوائی نہیں بلکہ علم کی بھی رُسوائی ہے۔ اس کی توضیح سیدی اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ ذیشان میں کچھ اس طرح فرمائی ہے۔

"علما سادات کو رب العزۃ عزوجل نے اعزاز و امتیاز بخشا تو ان کا عام مسلمانوں سے زیادہ اکرام امر شرع کا امتثال اور صاحب حق کو اس کے حق کا ایفا ہے۔ "قال اللہ تعالیٰ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون." (اللہ تعالیٰ نے فرمایا)

تُو فرما کیا برابر ہو جائیں گے، عالم اور جاہل۔
جب اللہ جل وعلا ہی نے علما و جہلا کو برابر نہ رکھا تو مسلمانوں پر بھی اُن کا امتیاز لازم، اسی باب سے ہے علمائے دین کو مجالس میں صدر مقام و مسندِ اکرام پر جگہ دینا کہ سلفاً و خلفاً شائع و ذائع اور شرعاً و عرفاً مندوب و مطلوب۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں ایک سائل کا گزر ہوا اسے ایک ٹکڑا عطا فرمادیا ایک شخص خوش لباس شاندار گزرا اسے بٹھا کر کھانا کھلایا۔ اس بارہ میں ام المومنین سے استفسار ہوا فرمایا حضور اقدس (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر شخص سے اس کے مرتبے کے لائق برتاؤ کرو ۔دیکھو یہ تفرقہ برتن اور پنے کے فرق سے کہیں زاید ہے اور عالم و جاہل و سید و غیر سید کا امتیاز سائل و خوش لباس کے امتیاز سے کہیں بڑھ کر ہے۔" الخ
اسی طرح آگے مزید توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"ہاں علما و سادات کو یہ ناجائز و ممنوع ہے کہ آپ اپنے لیے سب سے امتیاز چاہیں اور اپنے نفس کو اور مسلمانوں سے بڑا جانیں کہ یہ تکبر ہے اور تکبر ملک جبار جلت عظمتہ کے سوا کسی کو لائق نہیں بندہ کے حق میں گناہِ اکبر ہے، "الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین" کیا جہنم میں نہیں ہے ٹھکانا تکبر والوں کا۔ جب سب علما کے آقا سب سادات کے باپ حضور پُر نور سید المرسلین (ﷺ) انتہا درجہ کی تواضع فرماتے اور مقام و مجلس وخورش و روش کسی امر میں اپنے بندگانِ بارگاہ پر اختیار نہ چاہتے تو دوسرے کی کیا حقیقت ہے مگر مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ سب سے زاید علما و سادات کا اعزاز و امتیاز کریں۔ یہ ایسا ہے کہ کسی شخص کو لوگوں سے اپنے لیے طالب قیام ہونا مکروہ اور لوگوں کا معظم دینی کے لیے قیام مندوب۔ پھر جب اہلِ اسلام اُن کے ساتھ امتیاز خاص کا برتاؤ کریں تو اُس کا قبول انہیں ممنوع نہیں، امیر المومنین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ کہیں تشریف فرما ہوئے صاحب خانہ نے حضرت کے لیے مسند حاضر کی امیر المومنین اُس پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: کوئی گدھا ہی عزت کی بات قبول نہ کرے گا۔"

﴿فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۳، صفحہ نمبر ۷۱۸، ۷۱۹﴾

• تواضع پہ اتنی تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔
بلاشبہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ والا صفات زندگی ءِ حیات تقویٰ و عاجزی و گریہ وزاری، توبہ، علم و اخلاص صبر و شکر و رجا و توکل کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ جو کہ تصوف کی چاشنی سے لبریز اور عشق رسول ﷺ

میں پُر سوز مگن تھی۔ جیسا کہ آپ علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اس پر شاہد ہے۔ جو کہ مذکورہ بالا اوصاف کا مرقع نظر آتا ہے۔

جن میں سے چند اشعار انتخاب کے طور اور مختصری تشریح کے ساتھ پیش خدمت کرتا ہوں۔

اشعار رضا میں عجز کی چاشنی

مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی   اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

☆☆☆

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے   ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

☆☆☆

بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا   ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

☆☆☆

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا   تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

☆☆☆

اے رضا خود صاحب قرآن ہیں مداح حضور   تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

☆☆☆

پارۂ دل بھی نہ نکلا تجھ سے میں اے رضا   ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

﴿اعلیٰ حضرت کی تواضع و انکساری﴾

اعلیٰ حضرت اور اہمیت سنت رسول (ﷺ)

حضرت امیر دعوتِ اسلامی دامت برکاتہم العالیہ اپنی مایہ ناز کتاب آداب طعام میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ کچھ یوں نقل کرتے ہیں:

''میرے آقا اعلیٰحضرت، امام اہلسنّت، ولی نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمع رسالت، مجدد دین و ملت، حامیٔ سُنت، ماحیٔ بدعت، عالم شریعت، پیر طریقت، باعثِ خیر و برکت، حضرت علامہ مولٰنا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن ایک بار کہیں مدعو تھے، کھانا لگا دیا گیا، سب کو سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کھانا شروع فرمانے کا انتظار تھا، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ککڑیوں کے تھال میں سے ایک قاش اُٹھائی اور تناول فرمائی، پھر دوسری ۔۔۔ پھر تیسری ۔۔ اب دیکھا دیکھی لوگوں نے بھی ککڑی کے تھال کی طرف ہاتھ بڑھا دیے، مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب کو روک

دیا اور فرمایا، ساری ککڑیاں میں کھاؤں گا۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب ختم کر دیں۔ حاضرین متعجب تھے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو بہت قلیل الغذاء یعنی کم غذا استعمال فرمانے والے ہیں، آج اتنی ساری ککڑیاں کیسے تناول فرما گئے! لوگوں کے استفسار پر فرمایا، میں نے جب پہلی قاش کھائی تو کڑوی تھی اس کے بعد دوسری اور تیسری بھی۔ لہٰذا میں نے دوسروں کو روک دیا کہ ہوسکتا ہے کوئی صاحب ککڑی منہ میں ڈال کر کڑوی پا کر تھو تھو کرنا شروع کردیں چونکہ ککڑی کھانا میرے میٹھے میٹھے آقا مدینے والے مصطفےٰ ﷺ کی سُنّتِ مبارکہ ہے اس لیے مجھے گوارا نہ ہوا کہ اِس کو کھا کر کوئی تھو تھو کرے۔"

﴿آدابِ طعام، صفحہ نمبر ۲۸۱، ۲۸۲﴾

تعالی اللہ استغنا ترے در کے گداؤں کا — کہ ان کو عار فرو شوکت صاحب قرآنی ہے

تعظیم حضورِ غوث پاک (رضی اللہ عنہ)

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

"دوسرے دن کار افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ پڑھ کر دستِ کرم سے شرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اُٹھ پڑے۔ سب حاضرین بھی اُن کے ساتھ کھڑے ہوگئے کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اُکڑوں بیٹھ گئے سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا تو دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت اس ذرہ کو نوکِ زمین سے اٹھا رہے ہیں اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔"

﴿سہ ماہی افکار رضا۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء صفحہ ۷۵﴾

سبحان اللہ عزوجل، سرکار غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے محبت و عقیدت کا اس قدر امتزاج جیسا کہ خود ہی اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

تیری عزت کے نثار اے مرے غیرت والے — آہ صد آہ کہ یُوں خوار ہو بَردا تیرا

سید صاحب کی تعظیم

مولوی نور محمد جو بسلسلہ تعلیم، مجددِ دین وملت الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن کے آستانہ میں مقیم تھے، آپ نے ایک مرتبہ اپنے طالب علم ساتھی جو کہ سیّد صاحب تھے اس طرح پکارا، "قناعت علی،

قناعت علی ـ" یہ آواز جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی سماعتِ مبارکہ سے ٹکرائی تو آپ نے اِنہیں فوراً اپنے پاس بلایا اور سمجھایا، "کیا سیّد صاحب کو اس طرح پکارتے کبھی مجھے بھی (باجود اُستاد ہونے کے) اس طرح پکارتے ہوئے سنا؟" مولوی نور محمد صاحب یہ سُن کر بہت شرمندہ ہوئے، اور ندامت سے نگاہیں جھکالیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا، "جایئے! آیندہ خیال رکھیے گا۔" ﴿حیاتِ علیٰ حضرت جلد ۱ صفحہ ۱۸۳﴾

مذکورہ بالا واقعہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تعظیم سادات وعقیدت عیاں ہوتی ہے۔ نہ صرف خود اس پر عمل، بلکہ اپنے طلبا کو بھی یہ ذہن دے رہے ہیں۔ اور اصلاح بھی ایسی کہ دل آزاری بھی نہ ہو۔ بلکہ عقیدت ومحبت فزوں ہو۔

محترم قارئینِ کرام اس طرح کہ کافی واقعات "سیرتِ اعلیٰ حضرت کی کُتب" اور دیگر کتب میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ جن کو بیان کرنے کے لیے مستقل ایک کتاب کی ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جیسی صوفیانہ، زہدانہ طبیعت کی مالک شخصیت کے لیے اس قدر سطریں بھی ناکافی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

SUNNI WEBSITES

www.SunniDawateIslami.net
www.FaizaneAttar.net
www.HarunYahya.com
www.ahadees.com
www.madni.org
www.barkati.net
www.AhleSunnat.org
www.AlaHazrat.net
www.IslamicAcademy.org
www.owaisqadri.com
www.zikar.net
www.FaizaneMadina.com
www.zamzam.net
www.JamateAhleSunnat.net
www.trueislam.info
www.IshaateIslam.net
www.attari.net
www.sunnitehreek.com.pk
www.AhleSunnat.net
www.Noori.org
www.DawateIslami.net
www.zia-ul-ummat.com
www.raza.org.za
www.nafseislam.com
www.thelightofgolrasharif.com
www.noorenabi.net
www.hassan-ali.net
www.jummahmasjid.org
www.muhammadiya.com
www.humsunni.cjb.net
www.mustafai.net
www.siratemustaqeem.net
www.madanitalk.net.tc
www.naatsharif.com
www.livingislam.org/
www.aqdas.co.uk
www.wahabi.8m.net
www.yanabi.com
www.haqchaaryaar.net
www.ImamAhmadRaza.net
www.SunniPort.com
www.RazaeMustafa.net
www.NooreMadinah.net

محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی! حیات اور صدارتی خطبات

تحریر: غلام مصطفےٰ قادری، مالے گاؤں

وہ ملّتِ اسلامیہ کے قاید و رہنما تھے ...... وہ داعیِ حق تھے ...... وہ اعداے اسلام کے لیے شمشیر برہنہ تھے اور حق گو و حق پسند ...... اُن کی گفتگو میں ملّت کا درد تھا اور سوز تھا ...... کردار و گفتار میں اسلاف کی تصویر تھے ...... وہ صاحبِ بصیرت تھے ...... اُن کی نگاہ پس منظر اور پیش منظر دونوں پر ہوتی تھی اور مستقبل کے لیے متفکر ہوتے ...... وہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کے گلستانِ علم و حکمت کے گلِ رعنا تھے اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے تلمیذ ارشد و خلیفۂ اجل تھے ...... محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ ...... وہ مفسر بھی تھے، مترجم بھی اور محدث و فقیہ بھی تھے ...... اُن کی شخصیت گوہرِ آب دار تھی ...... آیئے محدث اعظم ہند کی حیاتِ تابندہ کے چند پہلوؤں اور خدمات کے گوشوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت:

محدث اعظم ہند کی ولادت ۱۵؍ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں قبل از فجر جائس ضلع رائے بریلی (یوپی) میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام حکیم سید نذر اشرف تھا، جو عابد و زاہد تھے۔ طبیب حاذق، فارسی کے عالم اور شاعر تھے۔

تعلیم و تعلّم:

ابتدائی تعلیم والد ماجد سے لی۔ مدرسہ نظامیہ لکھنؤ جا کر مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے درس میں شریک ہوئے ...... پھر علی گڑھ پہنچ کر مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا ...... مولانا مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر بدایونی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور علمِ حدیث کا حصول کیا ...... مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کی خدمت میں پہنچ کر فقہ اور اس کے متعلقہ علوم میں دسترس حاصل کی ...... افتا نویسی کا فن سیکھا ...... استحضار علمی کا یہ عالم کہ ہزارہا احادیث اسناد کے ساتھ ازبر تھیں ...... بڑے محتاط عالم تھے ...... اور ایک کامیاب مدرس اور مشفق استاذ بھی۔

تبلیغ و اشاعتِ علمِ دین کا جذبہ ورثے میں پایا تھا۔ عنفوانِ شباب سے ہی اس سمت متوجہ ہو گئے تھے۔ ابتدا میں دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم فرمایا جہاں ایک عرصہ تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ کچھوچھہ میں بھی تدریسی خدمات انجام دی۔

شخصیت اور سراپا:

محدث اعظم کی شخصیت بڑی وجیہ و شکیل تھی ...... دیکھنے والوں نے آنکھوں میں بسایا ...... سراپا ایسا

کہ دل پذیر...... ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد تحریر فرماتے ہیں:

''خاندانی جاہ و جلال، بلند و بالا قامت، گول چہرہ، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، بھرواں داڑھی، گرج دار آواز، خوش لباس، سر پر تاج نما کلاہ، پیکر اقدس پر سنہری حاشیہ دار عبا اور ہاتھ میں عصائے دراز زرنگار، مستانہ چال، جھوم کر چلتے ...... آواز ایسی جیسے ہاتفِ غیبی عالم بالا سے بول رہا ہو، گفتگو کا ٹھہراؤ، تقریر کا رچاؤ، باتوں کی گھن گرج اور گونج جیسے بادل گرج رہا ہو، جیسے بجلی کڑک رہی ہو، مینھ برس رہا ہو...... محبانِ رسول کے لیے شبنم کی ٹھنڈک، گستاخانِ رسول کے لیے نشتر کی چبھن......'' (۱)

بیعت و اجازت:

حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی (م۱۳۵۵ھ) سے بیعت کی سعادت حاصل کی ...... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے خلافت و اجازت سے نوازا...... تلمیذِ اعلیٰ حضرت مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی (م۱۳۴۳ھ) نے بھی خلافت عطا کی' جو آپ کے ماموں بھی تھے۔

بعض خصوصیات:

محدث اعظم! اسلام کے ایک مخلص داعی تھے ...... غیر اسلامی شعار کے خلاف جدوجہد کی ...... اہانتِ رسالت کے مرتکب گروہ دیوبند وہابیہ کو للکارا...... ان کی اہانت و گستاخیوں کا پردہ چاک کیا...... متعدد مناظرے کیے...... سرخ رو و کامراں رہے...... ۱۹۲۲ء میں کچھوچھہ سے ماہ نامہ ''اشرفی'' کا اجرا کیا ...... بے باک صحافی تھے ...... پاکیزہ صحافت کے قائل تھے ...... آپ کی قایدانہ صلاحیتوں کا لوہا برصغیر کے علما، مشایخ اور عوام سبھی مانتے تھے۔ کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کے صدر نشین تھے ...... جس کا مرکزی دفتر بریلی میں تھا...... متعدد مدارس کے سرپرست اور مشیر تھے...... آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے روح رواں تھے ...... سُنّی جمعیۃ العلما سے بھی وابستگی اور محبت رکھتے تھے ......

داعیانہ احساسات نے جذبات کو مہمیز کیا...... دلوں کی دنیا مسخر ہوئی ...... بہت سے غیر مسلم آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے (۲)...... حرمین مقدس پانچ مرتبہ حاضری ہوئی ...... اور حج کی سعادت حاصل کی...... ملّتِ اسلامیہ کے قاید تھے...... ملکی اور عالمی سیاست پر گہری نظر رکھتے تھے ...... بے مثال سیاسی بصیرت کے حامل اور مدبّر تھے ...... اور دوقومی نظریہ کے قائل......

شدھی تحریک کا سدِّباب:

شدھی تحریک کا طوفان اٹھا...... مسلمانوں کو مرتد بنایا جانے لگا...... ایک مغالطہ یہ دیا گیا کہ مسلمان سلاطین نے شمشیر و سناں کے بل بوتے پر اور بزورِ قوت و شوکت باشندگانِ ہند کو مسلمان بنایا، عہدِ مغلیہ رخصت ہوا، اب مسلمانوں کو آبائی دین پر لوٹ آنا چاہیے، شُدھ ہو جانا چاہیے ...... یوں ارتداد کی آگ

بھڑکی...... اس کی شدت کا اندازہ انھیں نہ ہوا جو مشرکین سے رشتے استوار کر کے ایمانی غیرت کھو چکے تھے ...... حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا نوری بریلوی (م ۱۹۸۱ء) کی قیادت میں "کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ" کا قیام عمل میں آیا...... امام احمد رضا کے تلامذہ اس کے ارکان و ایوان بنے...... اور محدث اعظم ہند صدر...... حضور مفتی اعظم کی معیت میں محدث اعظم نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا...... مسلمانوں کی اصلاح کی...... شدھی تحریک کے کارپردازان کو للکارا...... اُن کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کیا...... ان کے اثرات زائل کیے...... بے لوث خدمات انجام دیں......

تصنیف و تالیف:

محدث اعظم نے "معارف القرآن" کے نام سے قرآن پاک کا ترجمہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو پیش نظر رکھ کر کیا اور تفسیر بھی لکھی...... امام احمد رضا کی صحبت بابرکت نے عشق و عرفان کی دولت کو مزید بڑھا دیا تھا...... جذبات و احساسات کی تسکین کے لیے نعت گوئی بھی کی ...... اشعار گویا دل کی آواز، فکر کا اظہار اور فصاحت کا عنصر غالب پر زبان سادہ...... ایک کلام ملاحظہ فرمائیں اور حظ اُٹھائیں:

بہار مدینہ (نعتِ پاک)

مدینہ کو سب کچھ دیے جا رہا ہوں | بہار مدینہ لیے جا رہا ہوں

مدینے کے چرچے مدینے کی باتیں | یہی کام ہر دم کیے جا رہا ہوں

میں اس میکشی کی ہوس کے تصدق | پلاتے ہیں جتنا پیے جا رہا ہوں

نہ مجھ سے جدا تم نہ تم سے جدا میں | اسی دھن میں اپنی جیے جا رہا ہوں

یہ تعمیل ارشاد اہل مدینہ | کہ اب جا کے پھر آیے جا رہا ہوں

مدینہ کا کچھ کام کرنا ہے سید! | مدینہ سے بس اس لیے جا رہا ہوں

چند تصانیف کے اسما پیش ہیں:

(۱) تفسیر قرآن پاک (قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے تفسیر لکھنی شروع کی مگر ابھی آپ نے تین رکوع کی تفسیر لکھی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔)

(۲) حیات غوث العالم: (حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ (م ۱۳۰۸ء) کی سوانح)

(۳) اتمام حجت (وہابی دیوبندی مذہب کے رد میں یہ کتاب لکھی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۵ء)

(۴) تقوی القلوب (سید غلام بھیک نیرنگ کے ایک طویل سوال کے جواب میں تحریر فرمائی، مطبوعہ مین پور ۱۹۲۵ء)

(۵) فرش پر عرش (مجموعۂ کلام) ......(۳)

وصال:

محدث اعظم ہند نے اپنی حیاتِ مستعار کا لمحہ لمحہ اشاعتِ دین متین میں گزارا...... اپنے مقصد میں بامراد و کامراں رہے...... مذہب اہل سنت کے پاکیزہ عقاید کی کامیاب تبلیغ کی اور اپنے استاذ امام احمد رضا محدث بریلوی کے اس شعر کے مصداق اس عالمِ رنگ و بو سے رخصت ہوئے ۔

انھیں جانا انھیں ماننا نہ رکھا غیر سے کام　　　　للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

آپ کا وصال ۱۶؍رجب المرجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۵؍دسمبر ۱۹۶۱ء میں ہوا...... یوم دوشنبہ تھا اور دن کے ساڑھے بارہ بجے تھے...... وصال لکھنؤ میں ہوا اور تدفین کچھوچھہ ضلع فیض آباد (یوپی) میں ہوئی ......نمازِ جنازہ مولانا سید محمد مختار اشرف نے پڑھائی...... مادۂ تاریخ "موت العالم ۱۳۸۱ھ" استخراج ہوتا ہے۔

صدارتی خطبات کا تجزیہ

محدث اعظم ہند سحر طراز خطیب تھے...... افصح البیان تھے...... آپ کی خطابت روایتی خطابت نہ تھی ...... آپ کی زبان سے ملت کا درد بولتا...... الفاظ دل میں اترتے چلے جاتے...... عصیاں شعار تائب ہوجاتے...... آپ مفکر اسلام تھے...... باتیں فکر و خیال کی غمازی کرتیں...... دل کی کیفیات کا اظہار ہوتا ...... انھیں برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی حالات نے مضطرب کیا...... مسلمانوں کو ایمان و عقیدے سے عاری کردینے کے لیے فتنہ پرداز جماعتیں الگ سرگرم تھیں...... جماعتی سطح پر بھی محدث اعظم نے کاوشیں کیں...... خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ) نے اہل سنت کو ایک پلیٹ فارم پر لاکھڑا کیا...... آپ کی مساعی جمیلہ سے "جمعیت عالیہ اسلامیہ مرکزیہ" (آل انڈیا سنی کانفرنس) کا قیام عمل میں آیا جس میں متحدہ ہندستان کے طول و ارض سے علما و مشائخ شریک ہوئے ...... اور اجتماعی کاوشیں ہوئیں...... اقبال نے کہا تھا

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　　　موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

اس محاذ کے استحکام میں محدث اعظم نے بھی اہم کردار ادا کیا...... آپ واعظِ شیریں بیان تو تھے ہی ...... تاہم آپ کی فکر انگیز گفتگو میں ایک تحریک ہوتی...... بایں ہمہ آپ کے خطاب کا فیض پورے ملک میں عام ہوا...... ہند کے اہم مواضع اور بلاد و امصار میں مدعو کیے جاتے تھے...... زندگی سراپا تحریک تھی ...... مسلمانوں کے معاشی، سیاسی، سماجی، مذہبی و شرعی معاملات میں رہنمائی و قیادت کے لیے جو کانفرنسیں ہوئیں اکثر میں صدارتی خطبہ آپ ہی ارشاد فرماتے...... راقم آپ کے دیگر مواعظ و ارشادات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ذیل میں اُن صدارتی خطبات پر روشنی ڈالے گا جن کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور جو خطبات راقم کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہیں۔

سرزمین مراد آباد پر آل انڈیا سنی کانفرنس کا تاسیسی اجلاس ۱۹۲۵ء میں ہوا جو چہار روزہ تھا...... اس

کے منتظمین صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، مولانا قاضی محمد امداد حسین مراد آبادی اور انجمن اہل سُنّت و جماعت مراد آباد کے اراکین و رفقا تھے...... اس کے متعلق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

"برعظیم پاک و ہند میں اہل سُنّت و جماعت کا بے مثال اجتماع کثیر، سُنّیوں کا نمایندہ اجلاس، خالص ایوانِ سُنّیت کا اقتدار، سلاسلِ طریقت کے مقتداؤں کا حسین و مبارک اجتماع، اکابرِ اہل سُنّت کا موثر اجتماع اور عوام اہل سُنّت کا بھر پور جذبات سے معمور اجتماع۔" (۴)

یہ اجتماع تاریخی رہا...... اس میں خطبۂ صدارت اعلیٰ حضرت کے فرزند گرامی حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں بریلوی (م۱۳۲۶/۱۹۴۳ء) اور حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی (م ۱۳۵۵ھ) نے پیش کیا...... آخر الذکر کا صدارتی خطبہ محدث اعظم ہند نے پڑھا...... ان خطبات میں اتحاد و اتفاق، معاشرتی و اقتصادی اصول و ترقی، روایاتِ اسلامی کا تحفظ، شعائرِ اسلامی کی حفاظت و صیانت، بد مذاہب کا سدِ باب، تعلیمی و اخلاقی ترقی، اشاعت و تبلیغ اسلام اور اُن کے امور پر روشنی ڈالی گئی...... یہ کانفرنس اہل سُنّت کی تاریخ ساز کانفرنس منعقدہ بنارس کے لیے ایک اہم زینہ ثابت ہوئی......

آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس:

۲۷ تا ۳۰/اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا تاریخ ساز اجلاس بنارس میں منعقد ہوا جس میں برصغیر کے پانچ ہزار کے قریب علما و مشائخ اور مقتدر ہستیوں کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب افراد نے شرکت فرمائی۔...... (۵) اعلیٰ حضرت کے فرزند گرامی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے بھی شرکت فرمائی۔ یہ تاریخی اجلاس کامیاب ثابت ہوا۔ بالخصوص دو قومی نظریہ کے باب میں۔ پیش نظر موضوع سے متعلق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی یہ سطریں لائق غور ہیں:

"اصل میں اہلِ سُنّت کے پاس افرادی قوت بھی ہے اور ایمانی قوت بھی، کسی بھی مہم کو سر کرنے کے لیے ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو ایمان کے جذبے سے سرشار ہوں، اس لیے ماضیِ قریب کی تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں گیری کے لیے اہل سُنّت و جماعت کی افرادی قوت کو استعمال کیا گیا جب منزل مل گئی تو جہاں بانی اور جہاں آرائی کے لیے وہ آگے آگئے جو جہاں گیری کی منزل میں یا تو سرے سے تھے ہی نہیں یا بہت پیچھے تھے......" (۶)

بنارس کے اس اجلاس میں محدث اعظم ہند نے جو خطبۂ صدارت پیش فرمایا وہ مسلمانوں کے (ہندستان میں) مستقبل کے حوالے سے اہم بھی ہے اور آپ کی مذہبی و سیاسی بصیرت و قایدانہ صلاحیت پر دال بھی...... اس خطبے میں بہت سے نکات بیان ہوئے ہیں۔ چند اس طرح ہیں: فرق ہائے باطلہ کی منظم سازشیں، اہانت و توہین رسالت، حق و سچائی کی ضرورت، دعوت و تبلیغ، اسلام کی تعلیمات و پیغامات کی تشہیر

اور اس کے ذرائع، مبلغین و دعاۃ کی تیاری، مسلمانوں کی عمرانی و تعلیمی صورت حال اور اس کے لیے تدابیر، معاشرتی کیفیات اور بدحالی کا تدارک وغیرہ...... دل کی آواز سنیے، محدث اعظم ہند فرماتے ہیں:

''حضرات! زمانہ اب اس منزل سے دور نکل چکا ہے کہ اظہار مدعا سے پہلے کوئی تمہید عرض کی جائے اور منتشر تصورات کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لیے خطابت کے جوہر دکھائے جائیں۔ اب تو یہی ہمارے لیل و نہار کی گردش اور یہی رات دن کا چکر اور روزانہ نئے مظالم اور فتنوں پر نکلنے والا آفتاب اور نت نئی تاریکیوں اور ظلمتوں کا گواہ ماہتاب مسلمانوں کی بے نظمی اور سنّیوں کی بے کسی اور اعدا کی تیاریاں، دشمنوں کی چالاکیاں، تعدادی غرور والوں کی نبرد آزمائیاں، سرمایہ داروں کی ستم آرائیاں اور سب سے بڑھ کر ضمیر فروشوں کی غداریاں اور مسلم نماؤں کی اسلام دشمنیاں جن کو ہم آج ہر ہر منٹ دیکھ رہے ہیں۔ یہی ہمارے اظہار مدعا کی تمہید ہے......'' (۷)

اسلام! دینِ حق، آفاقی دین اور ہمہ گیر مذہب ہے...... اس کی سچائی کی تبلیغ وقت کی ضرورت رہی ہے...... مبلغین اسلام نے ہر دور میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے کر دلوں کے زنگ دھوئے ہیں اور دلوں کو پُرنور کردیا ہے...... اپنے تاریخی خطبہ میں محدث اعظم ہند اس موضوع کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

''مشائخ عظام و علمائے اعلام ہم وہ دن دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارا ہر فرد مبلغ ہو۔ ہماری پرانی تاریخ یہی تو تھی کہ بادشاہ مبلغ، رعایا مبلغ، پیر مبلغ، مرید مبلغ، سوداگر مبلغ، مزدور مبلغ، کوئی ہے جو رسول پاک ﷺ کے دست (پاک) پر اسلام قبول کر کے مبلغ نہ بنا ہو...... کوئی مثال ہے کہ صحابۂ کرام سے دولتِ ایمان پانے والا مبلغ نہ ہوا...... تبلیغ تو اسلام کا اصلی سرمایہ ہے۔ تبلیغ تو اسلام کا دوسرا نام ہے۔ یہودیت میں سازش کے سوا کیا رکھا تھا۔ نصرانیت (عیسائیت) کا منتر ۳/۱ و ۱/۳ والا کان کے سوا میدان میں کہنے والا کب تھا۔ مشرکین کے اوہام و تخیلات میں تبلیغ کی روح کیسے آتی۔ سب کے سب اپنے دین کے نام کو اپنی پرائیوٹ جایداد کی طرح چھپائے رکھتے تھے۔ کہ تبلیغ کا شہ سوار اسلام میدان میں آ گیا اور تبلیغ کے سورج کو چمکا دیا۔ صداقت کی روشنی کو پھیلا دیا۔ ہدایت کی تڑپ دلوں میں پیدا کردی۔ رشد و ارشاد کا دروازہ کھول دیا......'' (۸)

اسلام نے تعلیم کے بھی منہج و اصول طے کیے ہیں...... اور وہی تعلیم، تعلیم ہے جو اصول اور قانون کے دائرے میں ہو۔...... دورِ جدید میں دنیا میں تباہی و بربادی پھیلانے والے، انسانی قبا کو تار تار کرنے والے، عراق و افغانستان اور فلسطین میں انسانیت کو لہولہان کرنے والے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ لیکن اسلامی علوم یا اسلامی ضوابط پر مدوّن علوم انسانیت کے لیے چشمۂ حیات ہیں...... بنارس کی سنّی کانفرنس میں

مسلمانوں کے تعلیمی عروج وارتقا کے تئیں منصوبے ترتیب دیے گئے ...... محدث اعظم ہند فرماتے ہیں:

''تعلیم ہی سے صحیح تدبر اور درست تفکر کی اہلیت اُبھاری جاتی ہے...... اور تعلیم ہی سے قوم کو اس کے اصلی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔ اس تعلیمی آوارگی کا خطرناک نتیجہ ہے کہ قرآن وحدیث کا پیارا پیارا نام لے کر آپ کو ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو خود مسخ ہو گئے اور اسلام کو مسخ کرنے کا قصد کرلیا، گزشتہ ایک صدی کے اندر جتنے فرقوں نے برطانوی سایہ میں جنم لیا وہ سب تعلیمی خامی کی ماتمی یادگار ہیں۔ عقل کی سلامتی صحیح تعلیم سے ملتی ہے ورنہ عقل ایسی ہی ماری جاتی ہے آپ اس جنونی طبقہ سے آگاہ ہیں جو پیغمبر اسلام کی توہین کو اسلام کی تعلیمات میں تلاش کرتا ہے......''(۹)

انسانیت کے لیے دنیا کے تمام نظاموں کی ناکامی مخفی نہیں...... آج جو انسانیت کے علم بردار بنتے ہیں ان کے دامن خود داغ دار ہیں ...... اور یہی غیر اسلامی نظام جو یورپ وامریکہ نے مدوّن کیا جس میں احترامِ انسانیت کا تصور مفقود ہے وہ پوری اسلامی دنیا پر لاد دینا چاہتے ہیں ...... آج سے ٹھیک پچاس سال قبل محدث اعظم ہند نے بنارس کی سرزمین سے اسلامی دنیا کو پیغام دیا تھا: ''سارے نظامِ شریعت کو اسلامی دنیا کا نصب العین بنادیا جائے......''(۱۰)

مکمل خطبے کا جائزہ طوالت کا سبب ہوگا۔ اجلاس کی تجاویز، شعبہ جات کی تشکیل ومطالبات ایک علیحدہ تحقیقی موضوع ہے۔

آل انڈیا سُنّی کانفرنس اجمیر:

۶،۵؍رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۷، ۸؍جون ۱۹۶۴ء کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا سالانہ اجلاس شاہ جہانی مسجد درگاہِ معلی اجمیر میں ہوا...... خطبۂ صدارت محدث اعظم ہند نے ارشاد فرمایا ...... یہ خطبہ اردو ادب کا شاہ کار ہے ...... برجستگی کے ساتھ ہی صوتی ہم آہنگی بھی پائی جاتی ہے ...... تنوع الفاظ کا انتخاب قابل داد ہے اور زبان کی سادگی وحُسن مستزاد ...... عقیدہ وعقیدت یکجا دکھائی دیتی ہے۔ تاہم فکری عنصر نمایاں ہے...... داخلی وخارجی سازشوں کی قلعی کھول دی گئی ہے...... حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۳۳ھ) کی بارگاہِ مقدس میں خراج عقیدت ومحبت ہے اور آپ کی شان وعظمت کا تابندہ بیان بھی ...... محدث اعظم ہند فرماتے ہیں:

''لال قلعہ دہلی کے تخت طاؤس پر جو سر سب سے زیادہ اونچا نظر آتا تھا وہ سب سے زیادہ جھکنے والا خاکِ پاک اجمیر میں دکھائی پڑتا تھا۔ سلطان السلاطین وشہنشاہ کا لقب خواجۂ خواجگان کی جاروب کشی نے بخشا تھا۔ خزانۂ عامرہ والے لعل وجواہر گدڑی والوں سے مانگ کرلے جاتے تھے۔ نبرد آزماؤں کی تلواریں گوشہ نشینوں کی چوکھٹ پر تیز کی جاتی

تھیں۔ کلغی والوں کی کلغیاں ننگے تلوے والوں کے تلوے چوما کرتی تھیں۔ آنکھوں والوں کے لیے سرمۂ سعادت، بصیرت والوں کی خاکِ پا ہوتی تھیں......" (۱۱)

آخر میں پیغام دیا...... ایسا پیغام جو اتحاد کا سرچشمہ ہے...... جس میں محبتوں کی شفق و سرخی ہے...... حیات آفریں پیغام ہے...... محدث اعظم ہند فرماتے ہیں:

"میں اپنے سنّی بھائیوں کو آخر میں پُر زور دعوت دیتا ہوں کہ زندگی کی پہلی فرصت میں سنّی جھنڈے کے نیچے آجائیں جس کا سبز رنگ قبۂ خضریٰ کی سربزی سے ماخوذ ہے اور جس کا ہلال بدرِ کامل ہونے کی تڑپ رکھتا ہے اور جس کی چمک اپنی آغوش میں اس سبز گنبد کو لیے ہے جس کے سایہ میں دین اور دنیا کی بھلائی قدرت نے رکھی ہے......" (۱۲)

اس خطبۂ صدارت میں گمراہ فرقوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کو طشت از بام کر کے اس کے تدارک کی تدابیر وضع کی گئی ہیں۔

سُنّی کانفرنس بمبئی:

۱۳ر تا ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں بمبئی میں سنّی جمعیۃ العلما کے زیر اہتمام کانفرنس کا انعقاد ہوا...... صدارتی خطبہ محدث اعظم ہند نے پیش فرمایا...... یہ خطبہ آپ کی سیاسی بصیرت کا مظہر ہے...... اس میں مسلمانوں کے ملکی و ملی مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں...... دین سے جدا سیاست کی راہیں ایستادہ کرنے والوں کے مکر و فریب اور ان کی اسلام سے غداری، مشرکین سے وفاداری، شعائر اسلام سے دوری کا پردہ چاک کیا ہے...... سیاست کی اصطلاحات پر روشنی ڈال کر مسلمانوں کے شاندار ماضی کا حوالہ دیا ہے...... خطاب کے دو گوشے ملاحظہ فرمائیں:

"ہم جس دور سے گزر رہے ہیں روزانہ آفتاب ایک نئے فتنہ پر طلوع کر رہا ہے اور یہی لیل و نہار کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ سنّیو! سنبھل جاؤ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ اور ہوشیار شکاری کی تاک جھانک پر ہر وقت نظر رکھو......" (۱۳)

"جب تک یہ سیاست اسلامیہ عام طور پر بیدار تھی مسلمانوں کی سیاست کی ہوا بندھی ہوئی تھی لیکن جب یہ کیفیت جاتی رہی تو جرم کا دروازہ کھل گیا اور ہر کس و ناکس ناموسِ رسالت سے کھیلنے لگا"...... (۱۴)

آج کے دور میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے میڈیا اور یہود و نصاریٰ کے اشتراک سے پروپیگنڈہ مہم جاری ہے...... مسلمانوں کے خلاف ایسی ایسی اصطلاحات رائج کی جارہی ہیں جن سے دور کا واسطہ اور تعلق نہیں...... اسلام، امن و سلامتی کا درس دیتا ہے...... دین، امن و امان کی تعلیم دیتا ہے۔ دہشت گردی ہو یا بنیاد پرستی، ظلم ہو یا عصبیت ایسی کسی اصطلاح کا گزر نہ اسلام میں ہے نہ اسلامی تا

کے جگمگاتے ابواب میں ...... حضور محدث اعظم ہند نے قریب پچاس برس گزرے جو بات کہی تھی وہ پھر اپنی تشہیر چاہتی ہے۔ کیا ہم غور کریں گے اس زندہ حقیقت پر:

"ہمیں ساری دنیا کو یہ دکھانا ہے کہ ہم مجرم کے دشمن ہیں اسی میں ملک وملت کی بہتری ہے۔ ہمارے دین کا نام اسلام ہے جس میں سلامتی کا مفہوم موجود ہے ...... ہمارے دین کو ایمان کہا جاتا ہے جس میں امن و امان کا ایک ایک حرف موجود ہے۔ ہم جرائم پیشہ کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم مجرموں کو جڑ سے اکھاڑ کر خدا کی زمین کو امن و سلامتی سے بھر دینا چاہتے ہیں اور جب ہم مجرم کے خطروں کو برداشت نہیں کر سکتے تو پھر ہم کبھی ملک وملت کے لیے خطرہ نہیں ہو سکتے۔ ہم جیو اور جینے دو کو اپنانے والے ہیں۔ اگر ہماری یہ خصوصیت اجاگر ہو گئی تو پوری زمین ہمارے قدموں کو چومے گی اور پوری انسانیت لبیک کہہ کر ہمیں مرحبا کہنے پر مجبور ہو جائے گی" ...... (۱۵)

سُنّی کانفرنس مالیگاؤں:

۲۵ تا ۲۷؍ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۲؍تا ۲۴؍مئی ۱۹۶۰ء میں سہ روزہ مالیگاؤں سُنّی جمیعۃ العلما کانفرنس کا انعقاد مسلمانوں کے ملی و مذہبی اور سیاسی و عمرانی مسائل کے تناظر میں ہوا ...... اس کانفرنس میں مقتدر علما بالخصوص حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے شرکت کی ...... خطبۂ صدارت محدث اعظم ہند نے ارشاد فرمایا ...... یہ خطبہ تنقید و تشریت کا عمدہ نمونہ ہے ...... باطل فرقوں کی اچھی خبر لی ہے اور ان کی فریب کاریوں کا مدلل ذکر ہے۔ نیز بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عناصر دیوبند کی دریدہ دہنی کا بھی حوالہ موجود ہے ...... اس خطبے کے بہت سے رُخ ہیں ...... کہیں اضطرابی کیفیت ہے تو کہیں جماعتی سطح پر منصوبہ بندی ...... کہیں سُنّی جمیعۃ العلما پر اعتراضات کا جواب ہے تو کہیں سیاسی و مذہبی رہنمائی کا منضبط پروگرام ...... دل کی آواز ملاحظہ ہو ...... محدث اعظم فرماتے ہیں:

"یا اللہ! سُنّی تیرے اور تیرے پیارے رسول (ﷺ) کے ہیں ...... اور تیرے اور تیرے رسول کے صرف سُنّی ہیں۔ ان سُنّیوں کی لاج تیرے دست قدرت میں ہے۔ یہ جہاں رہیں گے تیرے ہی رہیں گے ...... تیرے پیارے رسول کے رہیں گے ...... تو ہمیشہ رہے گا ...... تو اپنوں کو ہمیشہ رکھ ...... تیرے رسول کی دھوم ہمیشہ رہے گی ...... تو رسول والوں کی دھوم ہمیشہ کے لیے مچادے ...... سُنّی جمیعۃ العلما کا جھنڈا آباد رہے ...... اس میں قبۂ خضریٰ اور یارسول اللہ کا نعرہ ہمیشہ ہر سُنّی پر سایہ افگن رکھ۔ سُنّیوں کو اس جھنڈے کے سائے تو جمع فرمادے ...... ان کو وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی توفیق دے اور وقت کی آواز کو سننے کی قوت عطا فرمادے ......" (۱۶)

جماعت رضائے مصطفیٰ کانفرنس گجرات:

محدث اعظم ہند کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کے تاحیات صدر رہے...... آپ کی ہی صدارت میں کچھ بھوج گجرات میں ۲۷ تا ۲۹ / اپریل ۱۹۶۰ء میں عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد ہوا...... صدارتی خطبہ بڑا ہی فکر انگیز ہے...... اس کے ایک ایک جز پر تبصرہ کیا جاسکتا ہے...... پچاس برس ہونے کو آئے آج بھی یہ خطبہ مسلمانوں کے لیے ممکن العمل اور موجب عروج و اقبال ہے...... اس میں درج ذیل موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے:

(۱) مسلمانوں کی قومی و اجتماعی زندگی کے لیے نظام کی ضرورت

(۲) بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے تعلق و رشتہ انگریزوں کے لیے اضطراب کا سبب۔

(۳) اُمور دینیہ میں ناقدانہ فکر کی پرورش اور اس کے پس پردہ رسولِ کونین ﷺ کی شان و عظمت کے انکار کی مذموم سازش۔

(۴) ادیانِ باطلہ کے اعتراضات کا محاسبہ اور مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل۔

(۵) دیوبندی لٹریچر کی فتنہ سامانیاں اور ضروری عقاید دینیہ کا انکار۔

(۶) فتنۂ ارتداد (شدھی تحریک) کے سدباب میں جماعت رضائے مصطفیٰ کا کردار۔

(۷) اعلیٰ حضرت کے بعد مسلمانوں کی قیادت کے لیے حضور مفتی اعظم ہند کی کاوشوں کو کلماتِ تبریک۔

اہل سُنّت و جماعت اسلام کے ضابطہ و آئین کے پاس دار ہیں۔ جرائم کے مخالف ہیں۔ محب وطن ہیں۔ بایں سبب ہمیشہ پُرامن رہے ہیں اور امن و آشتی کی ہی تعلیم دی ہے...... تشدد کا راستہ کبھی انہیں قبول نہیں رہا...... محدث اعظم ہند نے اپنے صدارتی خطبے میں اس پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے...... جس سے محدث اعظم کی اصابت فکر کا اندازہ ہوتا ہے......

یہ ایک المیہ ہے کہ پورے ہندو پاک میں اہل سُنّت کے اکثر اوقاف مساجد، درگاہیں، خانقاہیں دیوبندی وہابی عناصر کے تسلط میں ہیں ...... انگریزوں کی کاسہ لیسی اور ہنود سے اتحاد و داد اور دوستی نے انھیں ان کے ناپاک عزائم کی انجام دہی میں مکمل تعاون دیا...... اپنے خطبے میں محدث اعظم ہند نے بڑی فکر انگیز بات کہی ہے اور فرقِ باطلہ کے مکر کو واضح کیا ہے:

"اس میں شبہ نہیں کہ اس بارے میں ہم کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم نے سُنیوں کو تو سمجھا کر کامیابی حاصل کر لی کہ وہابی دیوبندی کس کو کہتے ہیں ہمارا ان کا اختلاف کس قدر بنیادی و اصولی ہے لیکن ہم حکومت نیز کسی اکثریت و اقلیت غیر مسلمہ کو سمجھانے میں ابھی پیچھے رہ گئے کہ جس طرح شیعہ، سُنّی ساری دنیا میں الگ الگ سمجھے جاتے ہیں۔ وہابی و سُنّی بھی اسی طرح سب کو الگ الگ نظر آئیں۔ شیعوں کے الگ ہونے میں سُنیوں کو خود شیعوں

سے مدد لی اور اس تقیہ والی قوم نے بے جھجک اپنے کو شیعہ کہہ کر سنیوں سے الگ رہنے کو تسلیم کرلیا اپنی مسجدیں اور اوقاف وغیرہ الگ کرلیں۔ مگر سُنّیوں کو بڑی دشواری یہ آپڑی ہے کہ وہابی دیوبندی باوجود اختلاف کفر و اسلام کے مگر اپنے کو سُنّی کہتا ہے۔ وہابی! سعودی نمک کھاتا ہے مگر اپنے کو وہابی نہیں کہتا۔ یہ ایک ایسا فریب ہے کہ کسی دوسرے کو یہ سمجھانا دشوار ہوجاتا ہے کہ وہابی الگ ہیں اور سُنّی الگ ہیں۔ اب یا تو یہ کیا جائے کہ اپنے ملک میں دیوبندی کہہ کر ان کو الگ دکھایا جائے جس سے شاید انکار نہ کرسکیں یا جو صورت بھی ہو مگر بڑی ضرورت ہے کہ ان عیاروں غداروں کی فطرت کو چلنے نہ دیا جائے یہاں تک کہ ملکی حکومت سمجھ لے اور خود بخود مجبور ہوجائے کہ ہماری درگاہوں کو دیوبندیوں سے پاک کر کے ہم اہل سُنّت و جماعت کی چیزوں کو خود ہی ہمیں دے دے......" (۱۷)

جشن یوم رضا ناگپور:

ماہ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ میں ناگپور میں جشنِ یومِ ولادتِ اعلیٰ حضرت منایا گیا...... اس کا خطبۂ صدارت جو محدث اعظم ہند نے ارشاد فرمایا تاریخ کا نقش جمیل بن کر رہ گیا...... یہ تذکرۂ اعلیٰ حضرت بھی ہے اور محدث اعظم ہند کی آپ بیتی بھی ...... محدث اعظم نے اس میں اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کے سرسبز گلستان کی سیر کرائی ہے ...... ہر ہر لفظ اخلاص کی گہرائی اور فکر کی پہنائی رکھتا ہے ...... آیئے محدث اعظم کے خطاب کے بعض گوشوں کا جائزہ لیتے ہیں......

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی ولادت ماہِ شوال میں ہوئی، محدث اعظم اس ماہ کو اہل سُنّت و جماعت کا مہینہ قرار دیتے ہیں...... یادیں منانا ہماری اسلامی تاریخ کا حصہ رہا ہے...... اور خاصانِ خدا کی یاد منانا، اُن کے ایام میں حدودِ شرع میں افعالِ صالحہ کا اہتمام کرنا تو نصِ قطعی سے ثابت ہے ...... اس بارے میں محدث اعظم نے مدلل وضاحت کی ہے اور یومِ اعلیٰ حضرت کی افادیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسلام کے عظیم محافظ اور اہل سُنّت کے امام و مجدد اعظم کی بارگاہِ عالی میں عقیدتوں کا خراج اور تبریک کے کلمات نذر کیے ہیں...... ذرا القاب و آداب کا انداز ملاحظہ ہو جو اعلیٰ حضرت سے محبت کا بین ثبوت اور اظہارِ عقیدت کا اسلوبِ دل آویز ہے...... محدث اعظم فرماتے ہیں:

"رسول پاک کا سچا نائب، علم کا جبلِ شامخ اور عملِ صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحرِ ذخار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار، اہل سُنّت کا امام واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب وعجم مجدد، تصدیقِ حق میں صدیقِ اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروقِ اعظم کا مظہر، رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، دولتِ فقہ و درایت میں امیر المؤمنین اور سلطنت قرآن و حدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین، اعلیٰ حضرت علی

الاطلاق، امام اہلِ سنّت فی الآفاق، مجدد مأتہ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، اعلم العلما عند العلما و قطب الارشاد علی لسان الاولیا، مولانا و فی جمیع الکمالات اولینا، فانی فی اللہ والباقی باللہ، عاشق کامل مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔‘‘......(۱۸)

اعلیٰ حضرت حق و صداقت کا منارۂ نور...... جن کی شہرتوں کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ جن کے علم وفضل اور کمال کے چرچے عرب وعجم میں ہیں...... محدث اعظم کی زبانی سنیے۔

’’تیرھویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہوکر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھاگئی اور چودھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں اس کو حق وصداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا...... میری طرح سے سارے حل وحرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور اس علمِ راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا......‘‘ (۱۹)

محدث اعظم کے بیان کردہ نکات ان موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں: اعلیٰ حضرت کی علوم جدید قدیمہ میں مہارت، غیر اسلامی نظریات کا سدِ باب، وسعتِ علم، قوتِ حافظہ اور استحضار علمی، فقہی جزئیات عبور اور بحیثیت فقیہ اسلام، شعر و ادب میں مہارت تامہ، دینی فتنوں کی یلغار ان کا سدِ باب اور تجدید خدمات، محبت و الفت غوث اعظم میں سرشاری......

زندگی کے جو ایام اور تربیت کے دوران اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں جو لمحات گزرے اسے آپ سرمایۂ حیات سمجھتے تھے۔ کیا دل لگتی بات کہہ گئے:

’’جب تکمیل درسِ نظامی و تکمیل درس حدیث کے بعد میرے مریدوں نے کارِ انتہا کے لیے اعلیٰ حضرت کے حوالہ کیا۔ زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہوگئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے......‘‘(۲۰)

کنزالایمان کی انفرادی خصوصیات کے حوالے سے اور علم القرآن میں اعلیٰ حضرت کی مہارت تبصرہ بھی کافی جامع اور بلیغ ہے...... فرماتے ہیں:

’’علم القرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمے سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جاسکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے۔ مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر ہے......(۲۱)

محتاط زبان وقلم اور بارگاہ ایزدی کی عطا کا حال محدث اعظم کی زبانی سنیے:

"اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرمادیا ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔" (۲۲)

حوالہ جات:

(۱) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، خلفاے اعلیٰ حضرت، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵، ص ۱۰۲ ملخصا

۲) ایضا، ص ۱۰۰

۳) محمد دین کلیم، مورخ لاہور، المیزان اپریل ۱۹۸۷، محدث اعظم ہند نمبر، ص ۲۷

۴) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، ماہنامہ ضیاے حرم لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۲۹

۵) حافظ احمد بخش، پروفیسر، ماہنامہ ضیاے حرم لاہور مارچ ۲۰۰۰ء ص ۲۳

۶) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، ماہنامہ ضیاے حرم لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء ص ۲۷

۷) سید محمد اشرفی کچھوچھوی، محدث اعظم ہند، خطبۂ صدارت مشمولہ المیزان اپریل ۱۹۸۷ء، محدث اعظم ہند نمبر، ص ۱۱۲

۸) ایضا، ص ۱۱۶ ۹) ایضا ص ۱۱۷

۱۰) ایضا، ص ۱۱۹

۱۱) محمد حسین بدر، حکیم، سات ستارے، مطبوعہ کنز الایمان سوسائٹی آزاد کشمیر ۲۰۰۶، ص ۸۷

۱۲) ایضا، ص ۹۴، ۹۵

۱۳) سید محمد اشرفی کچھوچھوی، محدث اعظم ہند، مصحفِ رخشندہ مشمولہ المیزان اپریل ۱۹۸۷ء، محدث اعظم ہند نمبر، ص ۱۳۳

۱۴) ایضا، ص ۱۳۵ ۱۵) ایضا، ص ۱۳۵ ـ ۱۳۶

۱۶) سید محمد اشرفی کچھوچھوی، محدث اعظم ہند، ارشاداتِ دین پرور (خطبۂ صدارت) مطبوعہ مالیگاؤں ص ۱۴

۱۷) سید محمد اشرفی کچھوچھوی، محدث اعظم ہند خطبۂ صدارت، مطبوعہ گجرات ۱۹۶۰ء ص ۱۳

۱۸) سید محمد اشرفی کچھوچھوی، محدث اعظم ہند، مجدّد اعظم مشمولہ سنّی آواز ناگپور جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۶۷

۱۹) ایضا ص ۶۸ ۲۰) ایضا، ص ۷

۲۱) ایضا، ص ۴۷ ۲۲) ایضا، ص ۸۷

OOOOOOOOOOO

حضور مفتیِ اعظم: تاج دارِ روحانیت

از: محمد اسلم رضا قادری
مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، صدر بازار، باسنی، ناگور شریف

دورہا باید تا یک "مردِ حق" پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

اس دنیائے آب و گل میں کچھ ایسی قد آور اور نابغۂ روزگار شخصیات بھی منصۂ شہود پر جلوہ بار و جلو
فگن ہوئیں جن کی حیات و زیست کے روشن و تابندہ ابواب آج بھی بساطِ زمین پر رہنے والے اشخاص
افراد، اقوام و ملل کو پیغامِ عمل اور دعوتِ فکر و نظر دے رہے ہیں۔ انہی متنوع و پُرکشش شخصیات میں ماضی
قریب کی ایک عبقری الشرق والغرب، علم و فضل، زہد و ورع، صدق و صفا میں یگانۂ زمانہ شخصیت شہزادۂ اعلیٰ
حضرت، تاجدارِ اہل سنّت، حضور مفتی اعظم علامہ الشاہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری برکاتی بریلوی
قدس سرہٗ السامی (۱۳۱۰-۱۴۰۲ھ) بھی ہے۔ جنھوں نے اپنی فطری و وہبی استعداد و صلاحیت کو روبعمل
لاکر علمی، دینی، تدریسی، تصنیفی، تبلیغی، اصلاحی، فقہی کارنامے اور خدماتِ دینیہ کے ایسے ان مٹ نقوش
چھوڑے ہیں جنھیں رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔ اس امر میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ حضور مفتی اعظم
کا ایک ایک لمحہ دنیائے عالم کے لیے "قابلِ تقلید و عمل" اور "راہِ ہدایت" کا رہبر و رہنما ہے۔

پیغامِ عمل: عربی کا معروف مقولہ "الولد سر لابیہ" بیٹا اپنے باپ کا عکس و پرتو ہوتا ہے۔ اس نظر
کے تحت جب ہم حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ العزیز کی ذاتِ ستودہ صفات کی حیاتِ مستعار کے لمحات سعی
کا سرسری طور پر جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں آپ کی تاریخ (احوال و واقعات) میں وہ اسباب و امور نمایاں طو
پر دکھائی دیتے ہیں جو مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ السا
(۱۲۷۲-۱۳۴۰ھ) کی زندگی میں پائے جاتے تھے۔

آج کے اس پُرفتن اور ترقی یافتہ دور میں "مفتی اعظم" کی مبارک تاریخ کے پاکیزہ نقوش و خطو
علمائے خلف کے لیے لائحہ عمل اور مشعلِ راہ ہیں۔ مفتی اعظم کی زندگی میں وہ تمام عوامل و اسباب بدرجہ ا
موجود تھے جو اعلیٰ مدارج و مناصب کے حامل ہیں لیکن شرط ہے کہ پہلے ہم اس علامۂ زمن، مفتیِ عالم، کو
حزم و اتقا، مجسمۂ اخلاص و محبت، مخزنِ اسرارِ شریعت، رازدارِ تصوف و معرفت، عارف باللہ جیسا اخلاق
کردار، اخلاص و وفا پیدا کریں پھر جاکر کہیں ہمارے اذہان و قلوب روشن و منور ہوں گے۔ ہمارے نفوس

تزکیہ ہوگا بعدہٗ عروج وارتقا کی تمام شاہراہیں ہمارا استقبال کریں گی۔ حضرت علامہ مولانا سید محمد قائم قتیل دانا پوری نے بہت خوب فرمایا ہے "وہ صرف مولوی ومفتی ہی نہ تھے بلکہ ایسے صوفی تھے جو دلوں کو دھوکر پاک وصاف کردیا کرتے تھے۔" (مفتی اعظم نمبر ص ۱۷۲ "استقامت کانپور ۱۹۸۳ء)

تاجدارِ روحانیت: یوں تو حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی حیات مبارک کے تقریباً ہر ایک گوشہ و زاویہ پر روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ مزید اب بھی اربابِ علم و دانش، اصحابِ لوح وقلم اپنی معلومات، تجربات، مشاہدات اور مطالعہ کی روشنی میں آپ کی ہمہ جہت اور عبقری شخصیت کے نئے نئے پہلوؤں پر آئے دن مقالات ونگارشات سپردِ قرطاس وقلم کررہے ہیں۔ اور خاندانِ رضا کے اس گلِ سرسبد کی خوشبو سے ایک عالم کو معطر ومشکبار کررہے ہیں۔ اللہ رب العزت اہلِ فکر وفن کی اس سعی جمیل کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔

اب آیئے ہم حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی "روحانیت ونورانیت" کے حوالے سے کچھ شواہد ہدیۂ قارئین کریں تاکہ یہ امر بھی آفتاب نیم روز کی مانند روشن وعیاں ہوجائے کہ جس طرح حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی کامیاب زندگی کا ہر پہلو تابناک وتابندہ ہے اور ان کی حیات کا ہر لمحہ عامۃ المسلمین کے لیے بہترین سامانِ ہدایت ہے اسی طرح اس پیکرِ علم وعمل، صاحب فکر وفن اور عابدِ بے ریا کی نورانیت و روحانیت نے بھی ایک عالم کو متاثر کیا اور اپنے اس "وصف" میں وہ کمال حاصل کیا کہ لاکھوں گم کشتگانِ راہ کو جادۂ مستقیم نصیب ہوا۔ جیسا کہ حضرت علامہ مولانا سید مظہر ربانی صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں: "علم و عمل، فضل وکمال، زہد وتقویٰ، دیانت وثقاہت، ولایت وکرامت غرضیکہ جملہ محاسن دینیہ وفضائلِ شرعیہ کے ایک مجموعہ کا نام "محمد مصطفےٰ رضا خاں" تھا جو قربِ قیامت کے فتنوں سے بھری ہوئی لادینیت ودہریت میں ڈوبی ہوئی چودھویں صدی ہجری کی تاریکیوں میں اپنے اسلاف کا نام روشن کرگیا۔" (مفتی اعظم نمبر ص ۲۵۲ "استقامت" کانپور ۱۹۸۳ء)

ایک نادر روایت: آج ہم ایک ایسی روایت نذرِ قارئین کررہے ہیں جو کسی قلم سے نہیں نہ کسی عام زبان سے منسوب ہے بلکہ وہ روایت وواقعہ اپنے عہد کی ممتاز وتاریخ ساز شخصیت خلیفہ حضور مفتی اعظم، مسیحائے راجستھان، زبدۃ الاصفیا، عمدۃ الاتقیا، استاذی الکریم حضرت العلام المفتی محمد اشفاق حسین صاحب قبلہ نعیمی مدظلہ النورانی (شیخ الحدیث مادر علمی الجامعۃ الاسحاقیہ، جودھپور) "مفتی اعظم راجستھان" کی زبانِ فیض ترجمان سے بیان ہوئی ہے (جو راقم السطور کے لیے ایک موقع پر بیان کی تھی)۔ حضور مفتی اعظم راجستھان صاحب قبلہ کی ذات محتاج تعارف نہیں اللہ رب العزت نے بے جاہ علمی فضائل ومحاسن سے نوازا ہے۔ آپ اپنے اسلاف کرام، مشائخ عظام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی کشتی حیات کو ساحلِ مراد سے ہمکنار کرتے ہوئے علمی، دینی، تبلیغی، خدماتِ دینیہ انجام دینے میں ہمہ تن مصروفِ عمل نظر آتے ہیں

اور ہزاروں تشنگانِ علوم کو جامِ معرفت سے سیراب کر رہے ہیں۔ اس قدر ضعف و نقاہت کے عالم میں بھی خدمتِ دین متین، خدمتِ خلقِ خدا، تبلیغی و علمی اور دینی امور کے لیے آپ کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف ہے۔ قبلہ موصوف نے اپنی عمر عزیز کا اکثر حصہ دینی و علمی خدمات میں تمام کر دیا جس کے باعث کئی مدارس و جامعات، مکاتب و مساجد کا قیام وعمل معرضِ وجود میں آچکا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ خدائے ذوالمنن آپ کا سایۂ عاطفت دراز فرمائے اور آپ کو صحت و سلامت رکھے آمین۔

حضور مفتیٔ اعظم راجستھان صاحب قبلہ مدظلہ النورانی فرماتے ہیں:

''مخدوم العلما، مفتی اعظم، تاجدار اہلسنّت، شہزادۂ حضور اعلیٰ حضرت علامہ الشاہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری قدس سرہٗ حدیثِ رسول مقبول ﷺ ''اذا رؤ واذکر الله'' کے صحیح طور پر مصداق ومحمل تھے اور فرمانِ رسول ﷺ ''من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین'' کے بھی پورے طور پر مصداق نظر آتے تھے۔ خداوند قدوس نے قبلہ مفتی اعظم کو تبحر علمی، فضل و کمال، حسن و جمال، زہد و تقویٰ، فقہی بصیرت جیسی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ میری آنکھ نے مفتی اعظم جیسا متقی و پرہیزگار اور عامل بالسنۃ عالم دین آج تک نہیں دیکھا۔ آپ کی روحانیت اور نورانیت وہ کام کرجاتی تھی جتنی ایک مقرر کی تقریر، ایک مفکر کا تفکر، ایک مبلغ کی تبلیغ کام نہیں کرتی ہے۔ اس کی زندہ مثال پیپاڑسٹی ہے (ضلع جودھپور راجستھان جو پہلے کبھی دیوبندیوں وہابیوں کا مرکز رہا ہے اس آبادی میں تمام دیوبندی برادری آباد تھی اور انہی کی تبلیغ کا اثر نظر آتا تھا۔ اگر کوئی سُنّی عالم کسی وجہ سے وہاں چلا بھی جاتا تھا تو وہ سب اس کو گھور گھور کر دیکھتے رہتے۔ مفتی صاحب قبلہ نے ابھی چند روز پہلے خود اپنے بارے میں بتایا کہ میں خود وہاں گیا تو وہ مجھے بڑی تیز نگاہوں سے دیکھتے رہے اور کہتے تھے کہ یہ یہاں کیسے آگیا۔ راقم) جہاں سُنّیوں کا گذر تک نہ تھا۔ یہ حضور مفتی اعظم کی نورانیت و روحانیت ہی کا صدقہ وثمرہ ہے کہ آج اس بستی میں مسلکِ اعلیٰ حضرت اور سُنّیت کا بول بالا ہے اور اغیار دور ونفور ہیں۔

مفتی صاحب قبلہ مدظلہ النورانی فرماتے ہیں۔ واقعہ تقریباً ۱۹۵۵ء یا ۱۹۵۶ء کا ہے جب حضور مفتی اعظم جودھپور تشریف لائے تو پیپاڑسٹی سے میرے پاس چند آدمی آئے جن میں سے دو کے نام یہ ہیں: چاند محمد، رفعت علی۔ میرے توسط سے انھوں نے عرض کی، حضور یہاں سے ۵۵ر کلومیٹر پر پیپاڑسٹی ایک بہت بڑی آبادی ہے جہاں دیوبندیت وہابیت خوب پھیل رہی ہے آپ ہماری دعوت قبول فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا۔ حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے اُن کی دعوت قبول فرمائی۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا وہاں پر ۲۵ گھنٹے قیام رہا۔ لوگ جوق در جوق آپ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ نوریہ رضویہ میں داخل ہونے لگے اور جو بھی آپ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوگیا وہ اسی وقت سے

پکا سُنّی بن گیا۔ بعدہٗ وہاں کی جامع مسجد پر بھی سُنّیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس دورے میں مَیں بھی قبلہ موصوف کے ہمراہ رہا۔"

قارئین ملاحظہ کیا آپ نے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ العزیز کی نظر کیمیا اثر کا کرشمہ اور آپ کی روحانیت کا جلوہ کہ آپ کی ایک نورانی و عرفانی نگاہ سے کتنے ہی انسان بدمذہبیت اور گمراہیت کے دلدل سے نکل کر چشمۂ رحمت میں آگئے اور کتنوں نے اپنی خاندانی ونسلی بدعقیدگی سے توبہ کرلی۔ واہ رے مفتی اعظم تو نے اپنی شمع عشق روشن کی بھی تو ایسی آبادی میں جو اغیار کی آبادی و بستی تھی پھر وہ شمع فروزاں ہوئی تو ہزاروں گم گشتگانِ راہ کو صراط مستقیم نصیب ہوگیا۔ سلام اس پیکرِ وفا پر جس نے سُنّیت کی لاج رکھ لی۔ اور اپنے نبی ﷺ کے دینِ مبین کی وہ پاسبانی کی جسے رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا۔ اس وقت زبان قال پر برملا یہ شعر آرہا ہے۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی ☆ بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت محمد میکائل ضیائی صاحب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی تعویذ نویسی اور ان کے حسنات و برکات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے آپ کی روحانی کیفیت کی اثر آفرینی کچھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں: "انہوں نے اپنی ۹۲ رسالہ زندگی کے طویل سفر میں صرف اور صرف اشاعتِ دین، خدمتِ خلق اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیے۔ اور جہاں انہوں نے اپنے علم وفضل، تصنیف و تالیف اور تصوف و معرفت کو ذریعۂ تبلیغ بنایا وہیں تعویذات ونقوش کی شکل میں خدا کے مقدس کلام کے ذریعہ ہزاروں انسانوں کے تیرہ و تار دلوں میں عشق و وفا کے فانوس روشن کیے۔" مزید چند سطور کے بعد رقمطراز ہیں: "حضورِ مفتی اعظم ہند نے حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی، حضرت خواجہ بایزید بسطامی و دیگر اکابر واجلہ اولیا اللہ کی قدم بقدم پیروی کی ہے۔ آپ نے تعویذات ونقوش کے ذریعے روحانی دولت تقسیم فرما کر لاکھوں بندگانِ خدا کو اس کی بارگاہ کے قریب لا کھڑا کیا اور اب وہ وہیں کے ہوکر رہ گئے۔" (مفتی اعظم نمبر ص ۵۹-۶۰ "استقامت کانپور ۱۹۸۳ء)

حضور مفتی اعظم راجستھان حضرت علامہ الشاہ مفتی محمد اشفاق حسین صاحب قبلہ نعیمی مدظلہ النورانی نے ایک مرتبہ راقم سے فرمایا کہ "حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے تعویذوں میں وہ اثر تھا کہ جسے بھی خوش ہوکر عنایت فرمادیا اس کے سارے رنج والم دور ہوگئے اور اس کی زندگی خوش حال ہوگئی وہ ترقی پر ترقی کرتا چلا گیا۔"

ایں سعادت بزور بازو نیست ☆ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک عجیب و غریب واقعہ: جناب وقار احمد صاحب صدیقی اپنے ایک مضمون میں حضور مفتی

اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی روحانیت کا تذکرہ کچھ اس طرح کرتے ہیں" جے پور میں حضرت مولانا ضیاء الدین کے سجادہ نے آپ کی دعوت کی تو آپ نے قبول فرمالی۔ سجادہ نشین صاحب دعوت دے کر چلے گئے تو آپ کے ایک غریب مرید عاشق علی نے آپ کی خدمت میں آ کر پوچھا حضور کا جے پور میں قیام کب تک ہے؟ آپ نے کہا ہم کل اجمیر شریف روانہ ہو جائیں گے۔ عاشق علی نے مسرور ہوتے ہوئے کہا" تو حضور شام کا کھانا میرے غریب خانے پر تناول فرمالیں تو بڑا کرم ہوگا۔ آپ نے اس کی دعوت بھی قبول کرلی اور جب وہ خوشی خوشی واپس چلا گیا تو مریدوں نے کہا۔ حضور آج شام آپ مولانا ضیا الدین کے سجادہ نشین صاحب کی دعوت قبول کر چکے ہیں۔" آپ نے مریدوں سے مسکراتے ہوئے فرمایا، کیا تم نے یہ بات بتا کر میری معلومات میں اضافہ کرنا چاہا ہے؟" آپ کے اس سوال سے سب نے شرم و ندامت سے اپنی گردنیں جھکالیں۔ دوسرے دن ریلوے اسٹیشن پر جب لوگ آپ کو خدا حافظ کہنے آئے تو ان میں عاشق علی بھی تھا اس کے چہرے پر مسرتوں کے رنگ قوس وقزح کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ ہجوم کی وجہ سے اسے دست بوسی کا موقع نہیں مل رہا تھا مگر اس نے آپ تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھی۔ کافی جدوجہد کے بعد وہ جب آپ کے قریب پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا" حضور! صبح آپ کے جاتے ہی میرا لڑکا واپس آ گیا تھا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا" اللہ تعالیٰ بڑا کارساز ہے" عاشق علی نے آپ کی دست بوسی کی تو فرط مسرت سے اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ آپ جب ارادت مندوں کو اشک بار چھوڑ کر روانہ ہوئے تو لوگوں نے عاشق علی کو گھیر لیا اور پوچھا کیا صبح سرکار تمہارے یہاں تھے؟ عاشق علی نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا" کل رات عشاء سے قبل سرکار میرے غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔ میں نے سرکار کو تنہا دیکھ کر پوچھا کہ میرے بھائی کیوں نہیں آئے؟" "وہ ایک دوسری جگہ مدعو ہیں اس وقت وہیں ہیں" آپ کا یہ جواب سن کر میں نے کہا" حضور آپ آگئے تو سب آگئے" حضور نے عشاء کی نماز کے بعد کھانا تناول فرمایا۔ میرے بہت سے احباب بھی موجود تھے۔ آپ نے دیر تک ان سے گفتگو کی بعض کو تعویذ دیے بعض کو دعائیں۔ جب احباب رخصت ہوگئے تو حضور نے فرمایا" تم نے اپنے مفقود الخبر بیٹے کی واپسی کے لیے کوئی تعویذ کیوں طلب نہیں کیا؟" میں نے فوراً کہا، حضور مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے غلاموں کے دکھوں سے آگاہ رہتے ہیں اور الحمدللہ کہ میرا یقین اب اور بھی پختہ ہوگیا ہے۔ حضور میری بات سن کر خاموش ہوگئے۔ گذشتہ رات حضور نے عبادت میں گذاردی اور نماز فجر کے بعد ناشتہ کیے بغیر تنہا جانے لگے تو میں نے عرض کی میں ابھی یکہ لے کر آتا ہوں مگر آپ "السلام علیکم" کہہ کر چلے گئے اور میری اس وقت یہ کیفیت تھی جیسے زمین نے میرے پیر پکڑ لیے ہوں۔ آپ کے ساتھ جانے کی خواہش کے باوجود میں اپنی جگہ سے ہل نہ سکا اور نہ جانے کتنی دیر تک خالی الذہن کھڑا رہا اور پھر اس وقت ہی ذہنی صلاحیتیں بیدار

ہوئیں جب پندرہ سال سے بچھڑا ہوا بیٹا (واصف علی) آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میرے گھر کی ویرانیاں مسکرانے لگیں۔ سب گھر والے جمع ہو گئے کچھ دیر تک بچھڑے ہوئے آپس میں مل کر روتے رہے اور جب اچانک میسر آنے والے خوشی کے لمحے جذبات میں ہلچل مچا کر گذر گئے تو میں نے اپنے بیٹے واصف علی سے کہا اب تم مجھے بتاؤ گھر سے کیوں چلے گئے تھے کہاں کہاں رہے اور واپسی کی کیا صورت ہوئی؟

واصف علی نے کچھ دیر اپنی یادداشت کو مرتب کیا اور کہا اجمیر شریف میں حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں لوگ جے پور سے جا رہے تھے میرے دل میں بھی حاضری کا شوق پیدا ہوا اور ٹکٹ لیے بغیر ہی ٹرین میں بیٹھ گیا۔ نہ ٹرین میں کوئی ٹکٹ پوچھنے آیا نہ پلیٹ فارم سے باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش آئی۔ زائرین کے ریلے کو ٹکٹ کلکٹر قابو نہ رکھ سکا تھا۔ اجمیر شریف پہنچ کر میں نے درگاہ شریف میں حاضری دی۔ حاضری کے بعد بے پناہ ہجوم میں مجھے تنہائی کا احساس ستانے لگا۔ نہ میرے پاس پیسے تھے نہ رہنے کو جگہ نہ کوئی آشنا۔ میں نے ادھر ادھر گھوم کر کوئی آشنا چہرہ تلاش کرنا چاہا تو ناکامی ہوئی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اس وقت اکبری مسجد میں تھا یہاں سب ایک دوسرے سے بے نیاز تھے مگر ایک بزرگ نے میری کمر پر شفقت سے ہاتھ رکھا کر کہا "صاحبزادے اپنے والدین کی اجازت کے بغیر تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا تم بھی پریشان ہو اور وہ بھی۔ عرس میں تمہاری حاضری ہو چکی اب تم گھر لوٹ جاؤ تمہاری جیب میں اتنی رقم موجود ہے کہ اب تمہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ اور ہاں اگر تم نے میری بات پر عمل نہ کیا تو بہت پچھتاؤ گے۔

میں ان سے نہ کہنے والا ہی تھا کہ میری جیب خالی ہے مگر وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی ایک سمت بڑھ گئے اور بھیڑ میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے بڑی بے یقینی سے اپنے پہلو کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ خالی نہ تھی جیب سے ہاتھ نکالا تو میری چٹکی میں دس دس کے پانچ نوٹ تھے۔ مجھے نوٹ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور میں نے اس بات پر کوئی خاص توجہ نہ دی کہ نوٹ کہاں سے آئے اور نصیحت کرنے والے بزرگ کون تھے۔ میں نے درگاہ بازار میں جا کر پہلے کھانا کھایا۔ ہوٹل سے باہر نکلا تو جے پور کے دو لڑکے مل گئے پھر ان کے ساتھ تفریح میں مصروف ہو گیا۔ چار دن میں سب پیسے ختم ہو گئے اور جب ساتھیوں نے دیکھا کہ میری جیب خالی ہو چکی ہے تو وہ بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اب میں پھر پریشان ہو گیا ماں باپ شدت سے یاد آنے لگے۔ میں سولہ کھمبے کی طرف جا نکلا۔ وہاں فقیر دھوئیں کے مرغولے بنا کر قلندرانہ نعرے لگا رہے تھے۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر کا فقیر مجھ سے ملا جس کی آنکھیں انگارے کی طرف سرخ تھیں اس نے مجھ سے کہا "بچہ میرے ساتھ آ تیرے سارے دکھ دور ہو جائیں گے" میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ لنگر خانے کی گلی میں پہلے اس نے مجھے کھانا کھلایا اور پھر مجھے لے کر دولت باغ میں پہنچا۔ وہاں ایک جگہ دوب

پر مجھے اپنے سامنے بٹھا کر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں مجھے اس کی آنکھوں سے وحشت ہو رہی تھی۔ میرے بس میں یہ بات نہ تھی کہ اپنی نگاہوں کا زاویہ تک بدل سکوں مجھے جلد ہی دماغ سے نیند کی ایک لہر ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی جو آہستہ آہستہ میرے تمام اعصاب پر چھا گئی۔ جب میں جاگا تو اس نے کہا "اب تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے اور وہی کرو گے جس کا میں تمہیں حکم دوں گا۔" اس کی یہ بات سن کر میں نے اس شخص کے لیے پہلی مرتبہ دل میں شدید نفرت محسوس کی مگر میں نے دیکھا کہ میں اس کے خلاف سوچ تو سکتا ہوں مگر اس کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ مجھے اس نے ایسی زنجیروں میں کس دیا تھا جو نہ حرکات وسکنات میں مانع تھیں نہ مجھے نظر آتی تھیں، نہ کوئی اور انھیں دیکھ سکتا تھا۔ اس فقیر کا نام جاموٹ تھا ہندوستان بھر میں وہ مجھے لیے گھومتا پھرا۔ کل رات میں جاموٹ کے ساتھ کلکتہ میں تھا سرائے کی اس کوٹھری میں جس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اچانک ایک بزرگ نمودار ہوئے اور جاموٹ سے کہا "بدبخت اس آدمی کو تو نے قید کر رکھا ہے اور اس کے ماں باپ اس کے لیے بے قرار ہیں" جاموٹ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ کوٹھری کا دروازہ بند ہے اور بند دروازہ سے آنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا اس لیے اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا "میں اس سے محبت کرتا ہوں اگر میں اسے آزاد کر کے اس کے ماں باپ کو خوش کر دوں تو مجھے اس کی جدائی میں رونا پڑے گا۔ مئیں اپنی مسرتیں دوسروں میں تقسیم کرنے کا قائل نہیں ہوں" بزرگ نے جاموٹ کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

کوٹھری میں ایک دیا ٹمٹما رہا تھا اس کی مدہم روشنی اس وقت محسوس ہی نہ ہوئی۔ جب شعلہ بار نگاہوں کا تصادم ہوا۔ اس تصادمِ نگاہ کے نتیجے میں جاموٹ کی چیخ سنائی دی "ہائے میری آنکھیں" بزرگ نے مجھ سے فرمایا آنکھیں بند کر لو اور جب میں کہوں آنکھیں کھول لو، اسی وقت آنکھیں کھولنا۔ میں نے ان کے حکم کے مطابق آنکھیں بند کیں اور حکم کے تحت ہی آنکھیں کھولیں تو خود کو لام نو اس باغ میں پایا اب وہاں سے سیدھا گھر آ گیا۔"

ارادت مندوں نے عاشق علی سے جب واصف علی کا احوال سنا تو جھوم اُٹھے۔ ان کے سر فخر سے اونچے ہو گئے کیوں کہ وہ ایسے عظیم البرکت مرشد کے زیر سایہ آ چکے تھے جو حضور غوث اعظم دستگیر کا مظہر کامل تھا۔" (مفتی اعظم نمبر ص ۲۱۳ تا ۲۱۶ "استقامت کانپور" ۱۹۸۳ء)

محترم قارئین! خداوند قدوس نے حضور مفتی اعظم کو "تصرفاتِ روحانی" کے جس مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ کی۔ واقعی قبلہ موصوف قدس سرہٗ نے جہاں پر اپنے علم وفضل، قول و عمل، زہد و ورع، اخلاق و کردار سے ایک عالم کو فیض یاب کیا وہیں پر "نورانی و روحانی تصرفات و اختیارات" کے ذریعہ ہزاروں انسانوں کی دستگیری فرمائی۔ مفکرِ اسلام رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر

صاحب قبلہ مصباحی مدظلہ رقمطراز ہیں "میرے مرشد طریقت حضور مفتی اعظم ہند نہ صرف یہ کہ علوم وفنون نقلیہ وعقلیہ کے جامع تھے بلکہ زہد وتقویٰ کے پیکر ایک ولی کامل بھی تھے۔ ولایت وروحانیت کے حامل ایک ایسے صاحب ارشاد وہدایت، عارف باللہ جن کے فیضان سے ایک عالم سیراب ہوا" اھ (نقوش فکر ص ۲۵۳)

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی نظر کیمیا اثر نے کروڑوں افراد واشخاص کو دولتِ ایمان، ایمان وعقیدہ کی پختگی سے نوازا۔ تاریخ کے زریں اوراق اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ مفتی اعظم کی چشمِ بصیرت کو خدائے ذوالمنن نے وہ پاکیزگی اور لطافت عطا فرمائی تھی کہ جس پر ایک محبت بھری نگاہ ڈال دی اس کی دل کی دنیا ہی بدل گئی۔

اللہ رب العزت نے قوتِ ایمان، تسخیر قلوب کی گراں مایہ دولت سے وافر حصہ بخشا تھا۔ جس کے باعث آپ نے لاکھوں حضرات کے عقیدے کی حفاظت وصیانت فرمائی۔ جیسا کہ رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر صاحب قبلہ مصباحی تحریر فرماتے ہیں "مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی قدس سرہٗ جن کے علم وفضل اور تدین وتقویٰ کے سامنے معاصر علما کی گردنیں تسلیم ورضا سے خم تھیں۔ اور جنھیں رب کائنات نے تسخیر قلوب کی دولت گراں مایہ سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ وہ جس راہ سے گزر جاتے ادھر ہزاروں دل فرشِ راہ بن جاتے اور جہاں خیمہ زن ہوجاتے وہیں علم وفضل اور عشق وعرفان کے خزانے تقسیم ہونے لگتے۔

انھیں مقدس ہستیوں کے بارے میں خدائے علیم وخبیر ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا۔ (سورۃ مریم ۱۹) بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے ان کے لیے رحمٰن دلوں میں محبت پیدا فرمادیتا ہے۔ مرشد برحق حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے گرد ہجومِ خلق دیکھ کر اور ان کی قوتِ تسخیر قلوب کا مشاہدہ کر کے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی عملی تفسیر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی تھی اور مشتاقانِ زیارت جب شرف باریابی سے بہرہ ور ہوتے تھے تو وہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدۂ حق کر کے اس حقیقت کا برملا اعتراف کرلیتے تھے کہ بلاشبہ آپ انھیں مومنین صالحین اور مفسرین ومحبوبین بارگاہِ الٰہی میں سے ہیں جن کا ذکر خیر اس آیتِ کریمہ میں ہوا ہے۔ (نقشِ فکر ص ۱۹۶)

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی خالی آستیوں میں

☆☆☆☆ ☆☆☆☆

بدرِ ملّت علامہ بدر الدین احمد قادری:

حیات و علمی کارنامے

تحریر: (مفتی) ولی محمد رضوی قادری، باسنی، ناگور راجستھان

اس بھری دنیا میں انسانوں کی کمی نہیں۔ نام کے انسان تو ہزار تلاش کرو گے تو اتنے ہی مل جائیں گے کہ ان سے برتاؤ کرنا خود ایک مسئلہ بن جائے گا۔ مگر کثیر انسانوں کی بھیڑ میں ایسے راسخ العقیدہ، کامل الایمان، مردِ مجاہد، وفادارِ دین و ملت کی طلب میں بڑا سرگرداں ہونا پڑے گا تب جاکر کوئی اپنے مقصدِ طلب میں کامیاب ہوگا۔

افراد و اشخاص کی جمعیت میں وہ حضرات قابلِ ستائش ہیں جنھوں نے اپنی حرکت و عمل سے دین و سُنّیت کی اشاعت کے لیے فکری تحریک کو فروغ دیا۔ سلام اُس پیکرِ اخلاص کو جس نے خلوص کے چراغ جلائے، سلام اُس پیکرِ صداقت پر جس نے صدق و صفا کی شمع روشن کی، سلام اُس عالمِ ربانی کو جس نے علم کی آبرو رکھی، سلام اُس عامل کو جس نے قدم قدم پر عملی نقوش چھوڑے، سلام اُس مفتیِ اسلام کو جس نے شانِ افتا کی ہر طریقہ سے حفاظت کی، سلام اُس شیخِ طریقت کو جس نے مسندِ ارشاد و ہدایت کو کبھی زمانہ کے طوفان سے داغ دار نہ ہونے دیا، سلام اُس نادر مصنف پر جس کی تحریر کی ایک ایک سطر سے حق و صداقت اور ہدایت کی خوشبو مہک رہی ہے، سلام ملت کے اُس عظیم سپوت پر جن کی وفات کی خبر سُن کر اکابر علمائے کرام کی چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کے قطرات موتی بن کر ٹپکنے لگے۔ میری مراد پیکرِ رشد و ہدایت، حامیٔ اہلِ سُنّت، ماحیٔ فتن باطلہ، عالمِ باعمل، مفتیٔ بے بدل حضرت علامہ شاہ محمد بدر الدین قادری رضوی نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہے جن کی حیات و خدمات کے پاکیزہ نقوش آج جماعتِ اہل سُنّت میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ علامہ موصوف حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے شعر

خدا بر آں بندہ بخشائش است ☆ کہ خلق خدا از وجودش در آسائش است

کے حقیقی مصداق تھے۔ اس لیے کہ آپ کے وجود سے لاکھوں افراد فیض یاب ہوئے، علمی اور عملی دولت سے مالا مال ہوئے۔ وہ علم و حکمت کی انجمن تھے۔ آج بظاہر وہ ہم میں موجود نہیں مگر ان کی ایک ایک خوبی رہ رہ کر یاد آرہی ہے۔ وہ ایسا چراغ تھے جس سے ہزاروں چراغ روشن ہوگئے، وہ ایک باکمال و باصلاحیت مدرس تھے جس کے علمی فیض نے سینکڑوں باصلاحیت مدرس پیدا کردیے۔ اُن کی زندگی کے کئی

ایک یادگار نمونے ہیں، انمٹ نقوش ہیں۔ ملت کے سعادت مند افراد ضرور ضرور اُس باوفا خدا ترس عاشق رسول کریم ﷺ کو یاد کرتے رہیں گے۔

زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر ‌ ‌ ‌ اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

یوں تو میری نگاہ میں ان کے بہت سے بے مثال و لاجواب علمی و دینی کارنامے ہیں لیکن مدارسِ اسلامیہ کے لیے سُنّی تعلیمی نصاب بنام ''تعمیر ادب چھ حصے'' علامہ موصوف کا وہ عظیم اور نادر روزگار کارنامہ ہے جو ناقابلِ فراموش ہے۔ حالانکہ علامہ موصوف کے مرتبہ نصاب سے پہلے بھی اہلِ سُنّت کے علمائے کرام نے بڑے اچھے انداز میں نصاب تیار کیا اور ان کی کاوشیں بھی قابل تعریف ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائے امین۔ مگر جو خوبی اور بے مثال علم و ادب کا مجموعہ حضرت کا مرتبہ ہے اس کی مثال انگوٹھی کے نگینہ جیسی ہے۔ وقت و حالات کی نباضی جو اس میں ہے وہ بہت نرالی ہے، سُنّیت کے جو جام اس میں پلائے گئے ہیں اس سے عشق کی مستی طاری ہوتی ہے۔

ادب کے جو درس اس میں دیے گئے ہیں عقیدت و محبت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ باطل فرقوں کا گھیراؤ اس طور پر کیا گیا کہ اسے مقید کر کے جامد و ساکت کردیا گیا ہے۔ عصری علوم نے اسلام کے خلاف جو افکار پھیلائے تھے اُن کا ابطال کر کے ایمانی چاشنی سے طلبہ کو آراستہ کردیا گیا، تاریخی نمونے بایں طور پیش کیے گئے ہیں کہ متعلم میں تاریخی ذوق و صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ مشقی سوالات میں علمی گتھیوں کو سلجھادیا گیا ہے۔ ہر حصہ میں نعت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حُبِّ رسول کریم کی شراب بھر بھر کر خوب پلائی گئی ہے۔ مجموعی طور پر اس نصاب کو پڑھ کر سمجھنے والا پختہ سُنّی ہوجاتا ہے۔ بلکہ مکار و عیار کو جواب دینے کا حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

میری نظر میں یہ سب سے بہتر اور عمدہ نصاب ہے۔ ہر جگہ اسے جاری کیا جائے۔ راجستھان کے اکثر مدارس میں یہ نصاب جاری و ساری ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ جماعتِ اہل سُنّت پر بہت بڑا احسان ہے۔ آنے والی نسلوں کے لیے باطل کے پُر فریب جال و چال سے محفوظ کرنے کا ایک ایمانی و روحانی حصار قائم کردیا ہے۔ اسے عام و تام کیا جائے۔ آپ کا روحانی فیض گھر گھر پہنچایا جائے یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ابرِ رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے ‌ ‌ ‌ حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

موصوف نے اصلاحِ اعتقاد و اعمال کے لیے دیگر کئی ایک کتب تصنیف فرمائیں۔ ''نورانی گلدستہ'' آپ کی وہ نایاب تصنیف ہے جس میں مسلمانوں کو اپنی اصلاح کی دعوت دی گئی ہے۔ کئی ایک مسائل شرعیہ جو شعارِ اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بہت مفید کتاب ہے عوام و خواص اس سے یکساں طور پر مستفید ہوسکتے ہیں۔

خلیفۂ بدر ملت صوفی عبدالصمد صاحب رضوی نوری نے حضور بدر ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی قیمتی نگارشات بنام ''مضامینِ بدر ملت'' شائع کی ہے۔ اس میں بھی عقاید و اعمال کی اصلاح و پختگی کا کافی سامان موجود ہے۔ یہ قیمتی جواہر پارے دور دور تک پھیلائے جائیں تو بہتر ہے۔ حضرت کی ایک کتاب ''مکتوباتِ بدر ملت'' ہے جس میں اپنے متوسلین و محبین کے نام جو خطوط لکھے گئے ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے۔ ان مکتوبات کو پڑھنے کے بعد آپ کی دینی حمیت و غیرت، تبحر علمی، فنافی اللہ، فنافی الرسول اور فنا فی الشیخ کے جلوے نظر آتے ہیں۔ تصلّب فی الدین میں جتنے آپ پختہ تھے اسی طرح اپنے ماننے والوں کو بھی دیکھنا چاہتے تھے اور ان مکاتیب میں اس کا درس خوب دیا گیا ہے۔

شرعی احتیاط میں آپ بہت ممتاز تھے اور اسی کا پیارا پیغام اپنے شاگردوں اور مریدوں کو دیتے رہے۔ نمازوں، روزوں کی پابندی کا بھی درس ان میں ہے اور ایمان و عقاید کی حفاظت کا پیغام بھی، بد مذاہب سے دور و نفور رہنے کی تاکید بھی ان میں ہے اور باطل فرقوں کی مفسد کتابوں کے مطالعہ سے احتراز کی بھی تعلیم ہے۔ الغرض یہ بھی ایک نایاب تحفہ ہے جو قارئین کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع دیتا ہے۔

آج دنیا بھر میں امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و کارناموں پر تحقیق و ریسرچ ہورہی ہے۔ ان کے بے مثال کارناموں پر سیکڑوں مضامین اور درجنوں کتابیں لکھی گئیں، تاہم بدر ملت علیہ الرحمہ کی مرتبہ ''سوانح اعلیٰ حضرت'' اس سلسلے میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اس سے پہلے ایسی تحقیقی کتابیں بہت کم نظر آئیں۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے بعد اس کتاب کو بھی اہم ماخذ کی حیثیت ملی ہے۔ آج فکرِ امام احمد رضا پر کام کرنے والے اسکالر حضرات اس کو مطالعہ میں لاکر خوب خوب استفادہ کرتے ہیں اور اپنی نگارشات میں چار چاند لگاتے ہیں۔ ہندوپاک سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایسی کتاب کو خوب خوب عام کی جائیں۔

حضور بدر ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ان بے مثال علمی اور اصلاحی مذہبی خدمات کا ہر عام و خاص اعتراف کرتا نظر آتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ پر ان کے کئی احسانات ہیں۔ وہ کئی ایک یادگار چھوڑ کر گئے ہیں۔ اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان سے خوب خوب مستفیض و مستفید ہوں۔ رب کریم ان برگزیدہ، پاک طینت و بندگانِ باصفا کے روحانی فیوض و برکات سے ہمیں مستفیض و مستفید فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

♥ ♥ ♥ ♥ ♥ ♥ ♥ ♥

کارزارِ صبر و شرر

۱۴۲۷ھ

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی

[مدیر محترم السلام علیکم۔ ماہ نامہ جام نور دلی اگست ۲۰۰۶ء میں جناب شرر مصباحی نے میرے اوپر جو تبصرہ کیا تھا اس کا جواب جام نور اکتوبر ۲۰۰۶ء میں اس شان سے شائع ہوا کہ اصل مضمون سے لائق مدیر نے ۳۰ رفی صد حصہ حذف کر دیا اور استدراک سے ۶۰ رفی صد حذف کر کے کل ۴۰ رفی صد شائع کیا اور ہر اُس بات کو حذف کر دیا جو شرر صاحب کے لیے بھاری تھی۔ کچھ بہت ہی ضروری میٹر جو اصل مضمون کے آخر میں تھا اور ایڈیٹنگ کے نام پر مدیر جام نور نے حذف کر دیا تھا (حالانکہ اس میں کوئی اختلافی بات بھی نہیں تھی) وہ ایک مراسلے کے شکل میں مدیر جام نور کو ۱۹ ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو برائے اشاعت بھیجا۔ مگر موصوف نے اس کو ایک دوسرے طویل مراسلے یا مضمون کے ساتھ ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور نومبر میں شائع نہیں فرمایا۔ جس سے شرر صاحب اور قارئین کا واقف ہونا ضروری تھا۔ اب یہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ گزارش ہے کہ اس کو ضرور شائع فرما دیں۔ ممنون ہوں گا۔

"انٹرویو کی باتیں تو بہت سی رہ گئیں، مگر قارئین کو بار خاطر نہ ہو اس لیے اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے شرر صاحب سے تین درخواستیں کرتا ہوں:

(۱) اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کے حالات بہت خراب ہیں اور نہ جانے کب ٹھیک ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔ جناب شرر جب تک بھارت میں ہیں ایک ترجمہ قرآن کی بنیاد ڈال دیں۔ یہ بڑا کام ہوگا۔ یوں بھی اس وقت اس کے اہل وہی ہیں۔

(۲) "کروڑا" کے بارے میں ایک مضمون اس طرح لکھ دیں کہ اعلیٰ حضرت کے عہد کے مصنفین کی تحریروں سے اس کا ثبوت ہو جائے۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے اسی طرح لکھنے کا مطالبہ کیا ہے اور اسی طریقے کو درست سمجھتے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اپنی کم علمی کے باعث یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ اس کی اہلیت انہی میں ہو سکتی ہے۔ میرا گمان یہی ہے۔ ایک بار نہیں بار بار یاد دلاؤں گا۔ جب تک زندہ ہوں، تیسرے چوتھے مہینے کھلے خطوط کے ذریعے یاد دہانی کراتا رہوں گا۔ ان شاء اللہ تا کہ قارئین سمجھ لیں کہ خود کام کرنے اور دوسروں کے کام میں عیب نکالنے میں کتنا فرق ہے۔ یا تو شرر صاحب میرے لکھے ہوئے میں کیڑے نہ نکالتے یا اب خود لکھ کر دکھائیں۔

مجھ ناتوان عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا — دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا

ان شاء اللہ تمام عمر تقاضے جاری رہیں گے۔ پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

(۳) میرا ایک مطالبہ ہے کہ کنز الایمان کا ایک ہی پارے کے بقدر لسانی جائزہ (شرر صاحب) تحریر کر کے دکھائیں۔ کیونکہ انہیں فقیر کا جائزہ پسند نہیں آیا۔" فقط والسلام]

جناب فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے جس طرح بیٹھے بٹھائے مجھ فقیر حقیر کو بے وجہ کی بحث میں اُلجھایا ہے۔ اُس پر وہ لوگ سخت حیران ہیں جو مجھ کو قریب سے جانتے ہیں۔ میرے متعلقین یہ بھی جانتے ہیں کہ مَیں ایک گوشہ گیر فقیر ہوں۔ دو-دو، تین- تین دن گھر کے دروازے سے باہر قدم نہیں نکالتا۔ کبھی کسی کے پاس ملنے نہیں جاتا۔ اس لیے فقیر کے پاس بھی کوئی نہیں آتا (الا اس کے کہ ایک مہینے میں کوئی ایک آدھ ہی خواہ تشریف لے آئے) حتّٰی کہ نمازِ جمعہ کے علاوہ ترکِ جماعت کا بھی گناہ گار ہوں۔ مولائے کریم اپنے عفوِ خاص سے معاف فرمائے۔ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ مہینے میں صرف ایک بار پنشن کے حصول کے لیے گھر سے بنک اور بازار کو جاتا ہوں یا پھر اشد ضرورت جیسے بیماری وغیرہ کی حالت میں۔ پھر مجھے ایک معرکے کا جبراً حریف بنالینا شرر صاحب کا کارنامہ ہے یا کچھ اور؟ اس کا فیصلہ بہتر طور پر قارئین کرام ہی کرسکتے ہیں۔

ترقی پسند ادب سے ہمیں اس لیے الرجی ہے کہ وہ ایک طرح سے کیمونزم کا ترجمان ہے۔ ہم اس کو یوں بھی پسند نہیں کرتے کہ وہ مشرقیت کی تردید کرتا ہے۔ بہت سے لوگ اس کو پروپیگنڈا بھی کہتے ہیں؛ مگر مجھے اس کی ایک بات بڑی سائنٹفک لگتی ہے کہ اس میں کسی ادب پارے یا کسی شخص پر تحقیق کرنے کے لیے اُس کے عہد یا ذہن کے پس منظر کو سمجھنا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ اور بلاشبہ ادب ہو یا شخصیات ہوں اُن کی تعمیر میں اُن کے عہد اور عہد میں ہونے والے حوادث وکوائف اور واقعات کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

بعض حضرات اس تنازع کی وجہ مجھ سے دریافت کرتے ہیں۔ پچھلے مضمون (مشمولہ جامِ نور بعنوان ''استدراک'' میں مَیں نے ایک ممکنہ وجہ (یعنی حسد کی کارفرمائی) بھی تحریر کی تھی۔ (جس کو مدیر جامِ نور نے ایڈیٹنگ کے نام پر حذف کردیا)؛ مگر اس کی ایک ہی وجہ نہیں ہے۔ کئی وجوہ سے تنازع وجود میں آیا۔ کم از کم ایک وجہِ مزید جو میرِ فہمِ ناقص میں آئی ہے کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی عرض کردوں کہ مجھے جو کچھ اب تک معلوم ہوا ہے، اُس کے مطابق شرر صاحب کے پاس ڈاکٹریٹ کی کوئی ڈگری نہیں ہے۔ (جب کہ وہ دھڑلے کے ساتھ اپنے نام سے پہلے ''ڈاکٹر'' لکھتے ہیں)۔ وہ زیادہ سے زیادہ طبِ یونانی کے (معاف فرمائیں میڈیکل سائنس کے نہیں) صرف گریجویٹ ہیں۔ یعنی حکیم جی قبلہ۔ شرر صاحب کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ابھی ایک بڑی ڈگری کی ضرورت اور ہے، جس کو پوسٹ گریجویشن ڈگری کہا جاسکے۔ اس کے بعد ہی ڈاکٹریٹ کورس میں داخلہ ممکن ہے۔ اس کے بعد خدا جانے کہ وہ اس کورس میں کامیاب ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ نصاب عام نصابات سے بہت حد تک مختلف ہوتا ہے۔

پھر بھی اُن کو یا کسی اور کو اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنے سے روکا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ ایسے لوگ بھی

اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھ رہے ہیں جو درجہ ۸ربھی پاس نہیں کر سکے اور ۳۵-۴۰ر انگریزی دواؤں کے تجربے اور انجکشن لگانے کی مشق کے بعد پریکٹس کرنے لگے ہیں۔ (ایسوں کو دیہات میں ڈانگدھر صاحب کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے) البتہ اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ جب کسی مضمون یا کتاب پر مصنف کے نام کے ساتھ "ڈاکٹر" لکھا ہو تو ساتھ میں ڈگری بھی لکھی جائے۔ تاکہ غلط پیغام نہ جائے۔ جیسے:

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شررؔ مصباحی پی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔

اگر ایسا ہوتا تو مَیں شرر صاحب کو اتنی مدّت تک اصلی ڈاکٹر نہ سمجھتا۔ جب کہ وہ حقیقتاً نقلی ڈاکٹر ہیں۔ ع دھوکا دیتے ہیں یہ بازی گر کھلا

قارئین کو شاید یاد ہو کہ مَیں نے کنزالایمان کے لسانی جائزے کی کسی قسط میں ایک ایسے ہی مولوی صاحب کے بارے میں جو حکیم بھی ہیں اور اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھتے ہیں، لکھا تھا کہ اُن کے پاس کسی یونی ورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ میرا یہی جملہ شررؔ صاحب کے جگر کے پار ہو گیا۔ احساسِ محرومی اور احساسِ کمتری نے اُن کو اُکسایا اور وہ موقع کی تلاش میں رہے۔ انٹرویو کا نمبر آیا تو کھل کھیلے۔ واضح ہو کہ یہ انٹرویو زبانی نہیں تحریری لیا گیا تھا اور انہیں اپنی طرف سے سوال قائم کرنے کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ پھر وہ میری چمڑی اُدھیڑنے اور کھاٹ کھڑی کرنے میں کوئی کسر کیوں چھوڑتے، بدلہ لینے کا اس سے حسین موقع انہیں اور کہاں مل سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ

"جماعت کے بھولے بھالے افراد کو جنہیں زبان و ادب سے دلچسپی نہیں اپنے ڈاکٹر ہونے کا احساس دلایا جائے۔"

اتنا لکھنے کے لیے حضرت شررؔ کو تمہید کے طور پر میرے نام سے ایک عبارت گھڑنے کا کارِ ثواب بھی کرنا پڑا۔ اگر مَیں ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہتا تو کہہ سکتا تھا کہ شررؔ صاحب ڈاکٹر ہی کہاں ہیں جو وہ کسی کو اپنے ڈاکٹر ہونے کا احساس دلائیں۔ اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہیں تو بقول شخصے: ننگی کیا نہائے گی اور کیا نچوڑے گی۔

مگر مَیں نے ایسا نہیں کیا بلکہ جواب میں یہی لکھا کہ شررؔ صاحب جب ڈاکٹر کہلاتے ہیں تو اُن کے پاس کسی یونی ورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری ضرور ہوگی ورنہ وہ اس پر راضی نہ ہوتے (اس حصّے کو مدیر جامِ نور نے ایڈیٹنگ کے نام سے خارج کر دیا) بہر حال مجھ سے جہاں تک ہو سکا اُن کی علمیت کی پردہ پوشی کی۔ اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ جو بات پہلے نہیں کہی تھی وہ بالواسطہ طور پر اب کہہ دی۔ تو مَیں اپنے الفاظ کہنے سے پہلے ہی واپس لیتا ہوں۔

شررؔ مصباحی صاحب نے جب حدائق بخشش ترتیب دی (جس کو انہوں نے تصحیح کا نام دیا) اور اُس

کو رضا اکیڈمی بمبئی نے بڑی آن بان کے ساتھ شائع کیا تو اس نیک نام ادارے کی وجہ سے اور کچھ لکھے بازیوں [1] کے سبب اُن کے علم و فضل کا رعب ذہنوں پر چھا گیا اور پھر جب انہوں نے علامہ عبدالستار ہمدانی مدظلہ العالی کی کتاب پر تنقیصی تبصرہ کیا اور علامہ ہمدانی صاحب نے اُس کا کچھ جواب نہیں دیا تو عوام کے ذہنوں پر اُن کے رُعب کے بجائے دہشت طاری ہوگئی؛ مگر فقیر پر اس دہشت کا کوئی اثر نہیں ہے۔

جن قارئین نے میرے بارے میں شرر صاحب کے فرمودات کو ملاحظہ فرمایا ہے انہیں اس بات کا اندازہ ہوگا کہ اُن کے دل میں فقیر کی طرف سے کتنی نفرت بھری ہوئی ہے۔ انٹرویو میں جہاں میں دور دور تک نہیں تھا انہوں نے میری ذات پر ۱۳ر ہتک آمیز حملے کیے۔ پھر حضرت برقؔ دانا پوری مدظلہ العالی سے

---

[1] لکھے بازی کی ایک مثال بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برقؔ صاحب میں شررؔ صاحب تحریر فرماتے ہیں:
"جب بھی اعلیٰ حضرت کے اشعار کے تعلق سے نظیر لدھیانوی، مولانا اخلاق حسین قاسمی اور ظہیر غازی پوری وغیرہ نے اعتراضات کیے یہی بچ مرزخم ٹھونک کر سامنے آیا اور منھ بھر کر جواب دیا۔" (جام نور ستمبر ۲۰۰۶ء ص ۴۲، سطر ۱۸۔۱۷)

نظیر لدھیانوی اور مولانا اخلاق حسین کا کیا قضیہ تھا اس کے بارے میں تو فقیر لاعلم ہے، مگر ظہیر غازی پوری صاحب کے بارے میں شررؔ صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت سے دور ہی نہیں بلکہ سچ کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظہیر غازی پوری صاحب کا ایک مضمون حدائقِ بخشش کے کچھ اشعار کی تنقیص میں مجلہ نعت رنگ کراچی شمارہ ۱۱ میں شائع ہوا تھا۔ جناب زبیر قادری نے بمبئی سے اس مجلّے کی ایک ایک جلد مجھے اور شررؔ صاحب کو بھیجی کہ ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جواب لکھ بھیجیں۔ اس فقیر نے سارے کام چھوڑ کر اُس کا جواب لکھ دیا اور روانہ کر دیا مگر شررؔ صاحب کو شاید ظہیر صاحب کا مضمون پڑھ کر پسینے چھوٹ گئے۔ بار بار تقاضوں کے باوجود انہوں نے جواب نہیں لکھا۔ لاکھ تقاضوں کے باوجود "زمیں جنبد، زماں جنبد، جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مصداق شررؔ صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اُن کے جواب کے انتظار میں نعت رنگ کا شمارہ نمبر ۱۲ تاخیر سے اکتوبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ جب یہ شمارہ بھارت میں آیا تو میرا مضمون پڑھ کر شررؔ صاحب کے حواس کچھ مجتمع ہوئے اور اُس سے استفادہ کر کے ایک مضمون تحریر کر کے ماہ نامہ "کنزالایمان" دلّی میں شائع کرادیا۔ ۲۰۰۲ء میں شاید اپریل یا مئی عرسِ رضوی کے موقع پر حضرت علامہ یٰسں اختر مصباحی صاحب سے بریلی میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا ایک مضمون کنزالایمان کے پچھلے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ مَیں نے کوئی مضمون نہیں بھیجا تھا اس لیے حیرت ہوئی۔ پوچھا کون سا مضمون؟ حضرت علامہ نے فرمایا، "وہی جو نعت رنگ میں شائع ہوا تھا"۔ مَیں نے تجسس سے پوچھا۔ "کیا آپ کے پاس نعت رنگ پابندی سے آتا ہے؟" حضرت موصوف نے فرمایا۔ "نہیں ہمیں تو ڈاکٹر شررؔ مصباحی صاحب نے دیا تھا۔" شرر صاحب کی اس عنایت کی وجہ اُس وقت میری سمجھ میں نہ آسکی۔

اب مذکورہ بالا دعوے سے معلوم ہوا کہ حضرت شررؔ نے یہ کام پلان کے تحت کیا تھا۔ وہ ظہیر غازی پوری کے اعتراضات کے جواب دینے میں اوّلیت کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتے تھے۔ سوچا کہ نعت رنگ انڈیا میں کہاں دست یاب ہوگا۔ اس لیے کنزالایمان میں پہلے اپنا مضمون شائع کرایا اور اُس کے بعد جو حقیقتاً اُن کے مضمون کا نہ صرف ماخذ تھا بلکہ اُس سے پہلے کراچی سے شائع بھی ہو چکا تھا شائع کرادیا تاکہ سند بن جائے اور اس معاملے میں بھی اُن کو اوّلیت حاصل ہو جائے۔ ایسی ہی لکھے بازیوں سے شررؔ صاحب نے شہرت حاصل کی ہے۔ ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً سامنے لاتا رہوں گا۔ "کر جائے" کا اختراع بھی لکھے بازی ہی ہے، جس سے حضرت امام کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ اُمید کی جانی چاہیے کہ نظیر لدھیانوی اور علامہ اخلاق حسین قاسمی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا ہوگا۔

سوال و جواب ہوئے تو اُس وقت بھی مَیں دور دور تک نہیں تھا مگر پھر بھی انہوں نے میری ذات پر سخت قسم کے ۵ر حملے کر دیے۔ یعنی دو بار میں کُل ۱۸ر حملے اس حالت میں کیے کہ مَیں نے اُن کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی تھی۔ اب جبکہ میرا احتجاج منظرِ عام پر آیا ہے تو شاید اب تو وہ مجھے کچا چبا جانے کا ارادہ کریں گے۔ نفرت کا یہ عالم بھی عجیب تر ہے کہ کہیں میرا نام تک نہیں لیتے تھے۔ اکتوبر تک صرف سنبھلی صاحب کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتے رہے۔ فی الحال صرف دو حملوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ پہلا حملہ جو انٹرویو میں ہے، یہ ہے:

''یہ عبارت صرف اس لیے معرضِ وجود میں آئی .... جماعت کے بھولے بھالے افراد کو اپنے ڈاکٹر ہونے کا احساس دلایا جائے۔'' (ماہ نامہ ''جامِ نور'' دلّی بابت اگست ۲۰۰۶ء صفحہ ۳۵ کالم ۲، سطر ۱۷ تا ۲۰)

یہ لکھ چکا ہوں کہ ''یہ عبارت صرف اس لیے معرضِ وجود میں آئی'' شرر صاحب کی دیدہ دلیری اور جعل سازی کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ جس عبارت کا وہ ذکر کر رہے ہیں اُس کے واضع وہی ہیں۔ یہ بات پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اس سے جماعت کی بڑی بدنامی ہوگی۔ ؎ دوبارہ صرف اس لیے یہ ریمارک نقل کر دیا کہ قارئین اس کو غور سے پڑھیں گے تو اس میں ایک حسرت خوں گشتہ (ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے محرومی) کی بوصاف طور سے محسوس کی جا سکتی ہے۔

حسرتوں کا دب جانا یا مر جانا انسانی نفسیات کے لیے اچھا نہیں ہے۔ اس کا ردِّ عمل ہے کہ شرر صاحب غرور کا شکار ہو گئے، ہر کسی سے لڑنے جھگڑنے کی عادت ہو گئی۔ تحریر میں تخریبی انداز آ گیا۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ شرر صاحب ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنا چاہیں تو یہ فقیر اُن کی خدمت کو تیار ہے۔ وہ کسی اور

؎ ۱۹ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو میرا ایک شاگرد کسی کام سے مراد آباد جا رہا تھا۔ اُس کے پاس جامِ نور اکتوبر ۲۰۰۶ء کا شمارہ بھی تھا۔ بس چلی تو اُسے نیند آ گئی اور جامِ نور گود میں رکھا رہ گیا۔ برابر کی سیٹ پر ایک ندوی مولوی تھے۔ رسالہ انہوں نے اُٹھا کر ورق گردانی شروع کر دی۔ اتفاق سے صفحہ ۴۱ اُن کے سامنے آ گیا۔ اُس کو پڑھ کر وہ زور زور سے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے، لو دیکھو مصباحیوں کی کرتوتیں۔ عبارتیں وضع کر کے دوسروں سے منسوب کرتے ہیں۔ میرے ریسرچ اسکالر کا بیان ہے کہ اُس کی بلند آہنگ گفتگو سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے کہا کہ ایک شخص پر پوری جماعت کو کیوں قیاس کرتے ہو۔ اس پر وہ اور زور زور سے گلا پھاڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ایک چاول سے پوری دیگ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بس میں چند سُنّی اور بھی تھے وہ بولے تو اُس نے اُن کو بھی آڑے ہاتھوں لیا اور کسی کو بولنے نہیں دیا۔ بس میں نصف کے قریب غیر مسلم تھے۔ انہوں نے وضاحت چاہی تو اُس ندوی نے مصباحیوں کا تعارف اسی بات کر لے کر بڑے ذلّت آمیز انداز میں کرایا۔ شرر مصباحی نے مصباحی برادری کے ماتھے پر کلنک کا جو ٹیکہ لگایا ہے کیا مصباحی حضرات اس کے لیے شرر صاحب کے خلاف نوٹس لیں گے۔ یا الجامعۃ الاشرفیہ کے مجلسِ منتظمہ کی رکنیت کے باعث اُن سے مرعوب ہو جائیں گے؟ شرر صاحب بتائیں کہ وہ ''سیف الحق'' کے واضعین سے کس طرح کم ہیں؟ کوئی غیرت مند ہوتا تو اتنا بڑا گھوٹالہ کر کے گھر میں روپوش ہو جاتا۔

کی شاگردی میں جائیں اس سے بہتر ہے کہ اس نالائق کی خدمات حاصل کرلیں۔ ڈانٹوں گا پھٹکاروں گا نہیں۔ بڑی محبت کے ساتھ کام کراؤں گا؛ مگر پہلے پوسٹ گریجویشن کرنا ہوگا۔ یہ بھی بتادوں کہ اب سے بہت پہلے ایک بی. یو. ایم. ایس (علیگ) کو روہیل کھنڈ یونی ورسٹی بریلی شریف سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دلا چکا ہوں۔ انہوں نے پوسٹ گریجویشن خود ہی کرلیا تھا۔ اگر شرر صاحب تیار ہوں تو اُن کی دل چسپی کا ایک آسان Topic (امام احمد رضا سے متعلق) میرے ذہن میں ہے۔ ہوسکتا ہے وقت گذرنے کے ساتھ اُس کو کوئی اُچک لے جائے۔ اگر یہ کام ہوگیا تو شرر صاحب ہر طرح سے نارمل ہوجائیں گے۔

ایک اور ریمارک جو حضرت پروفیسر برقؔ داناپوری مدظلہ العالی کے جواب میں کیا گیا وہ یہ ہے:

"کیا میں جماعت کے ذمے دار افراد سے امید کروں کہ وہ ڈاکٹر سنبھلی کی ان رسوائےکن تحریروں کا نوٹس لیں گے۔" (جامِ نور، ستمبر ۲۰۰۶ء)

اس ریمارک کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شررؔ صاحب کے تیور صاف پتہ دے رہے ہیں کہ یہ صاف طور پر دہشت گردی ہے۔ ایسی دہشت گردی جس کا علاج ابھی حکومتوں کے پاس بھی نہیں ہے۔

جن حضرات نے لسانی جائزہ ملاحظہ فرمایا ہے انہوں نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ جماعت کے کیسے کیسے ذمے داروں نے اس کی ستائش کی ہے۔ مدیر محترم کبھی خطوط شائع نہیں فرماتے تھے۔ پھر بھی مفتی عبدالمبین نعمانی نے اس کی تعریف میں تین خط لکھے۔ حضرت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ نے مدیر کو پہلا اور آخری خط لکھا تو اسی سلسلے کی تعریف میں لکھا۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا ابوالفرید رضوی مصباحی (چھپرا) بہار، محمد مشاہد حسین رضوی (مالے گاؤں)، مولانا غلام مصطفےٰ قادری رضوی، باسنی (راجستھان)، ڈاکٹر جبار علی انصاری (سیتاپور)، جناب محمد عارف جامی (کراچی)، سید منور علی شاہ بخاری، (کیلی فورنیا امریکہ، محترم خلیل احمد رانا (پاکستان)، سید صابر حسین شاہ بخاری (پاکستان)، محترم خورشید احمد سعیدی (اسلام آباد) جیسے جماعت کے ذمّے دار حضرات نے اس سلسلے کی ایسی دل کھول کر تعریف کی کہ شررؔ صاحب جل بھن کر کوئلہ ہوگئے۔ (کیونکہ ایسی تعریف اُن کے حصّے میں نہیں آئی جبکہ وہ خود کو دنیا کا سب سے بڑا ماہر رضویات اور ماہر عروض وقوافی سمجھتے ہیں۔)

جل بھن کر آدمی جو بھی کہے قابلِ معافی ہوتا ہے۔ شررؔ صاحب کی تکلیف کو مَیں بھی سمجھتا ہوں اور مجھے اُن کے ساتھ ہمدردی ہے۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ردِّ عمل تھا؛ لیکن اُن کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جماعت کے تمام ذمّے دار حضرات مذکورہ بالا حضرات کے ہم نوا ہیں۔ کچھ خط میرے پاس بھی آئے تھے جو شائع نہیں کرائے گئے۔ اب شررؔ صاحب کے حصّے میں یہ سعادت نہیں آئی تو مَیں کیا کرسکتا ہوں؟

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

افسوس کہ حسد کرنے سے اپنا خون جلانے کے سوا کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

شرر صاحب کو اپنے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں اُن کی وجہ حدائق بخشش کا وہ نسخہ بھی ہے، جس کی نام نہاد تصحیح انہوں نے کی ہے۔ اُس میں ۳۳ ر غلطیوں کی نشان دہی کر چکا ہوں۔ (جن کو مدیرِ جامِ نور نے مضمون سے حذف کر دیا جو صاحب دیکھنا چاہیں اُنہی سے رابطہ قائم کریں) آگے مزید ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا صغیر اختر مصباحی صاحب نے دوسری کھیپ میں جس نعت کا شعر بھیجا تھا اُس نعت میں مندرجہ ذیل اشعار بھی شامل ہیں۔

آتا ہے دربِ والا، یوں ذوقِ طواف آتا ☆ دل جان سے صدقے ہو سر گرد پھرے دل سے

دریا ہے چڑھا کتنا کتنی ہی اُڑائیں خاک ☆ اُتریں گے کہاں مجرم اے عفو ترے دل سے

کیا جانیں یم غم میں دل ڈوب گیا کیسا ☆ کس تہہ کو گئے ارماں اب تک نہ ترے دل سے

معلوم نہیں کہ ان اشعار کو دیکھے بغیر ہی کسی سے نقل کرالیا یا انہیں اُن کے قوافی درست معلوم ہوئے۔ اگر صحیح اور غلط قافیے کی بھی پہچان نہیں ہے تو مصحح بننے کا کیا شوق چرایا تھا۔ یہ اب تک ۳۶ ر غلطیاں ہوگئیں جو متن سے متعلق ہے اور شرر صاحب کی ناقہمی سے راہ پا گئی ہیں۔ حضرت امام کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اگر کوئی استفسار کرے تو کہہ دیتے ہیں غور کر رہا ہوں۔ کوئی اُن سے نہیں پوچھتا کہ ۱۹۹۵ء میں کیوں غور نہیں کیا تھا اور اب کب تک غور فرمائیں گے؟ یہ غلطیاں متن سے متعلق ہیں۔ اب مقدمے پر نظر ڈالیے۔

صفحہ ۶۴ / ۶۰ سطر ۱۲ میں تصحیح کا یہ حال ہے۔ غلط کے کالم میں "جن کی تسکیں کو الخ" لکھا گیا ہے اور صحیح کے کالم میں "جس کی الخ" درج ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ "کو" غلط نہیں ہے مگر متن میں اس "کو" کی جگہ "سے" درج ہے۔ یہ ۳۷ ہوگئیں۔

اس کے علاوہ صفحہ ۵۸ سے صفحہ ۶۰ تک جو صحت نامہ دیا ہے اُس میں متعدد جگہ ایسا ہے کہ غلط کے تحت جتنے الفاظ ہیں صحیح کے تحت اُتنے نہیں ہیں۔ جبکہ جو الفاظ غلط کے تحت ہیں اگر وہ سب غلط نہیں ہیں تو اُن سب کو بھی صحیح کے تحت لکھا جانا چاہیے تھا ورنہ قاری سمجھے گا کہ صرف اتنے ہی لفظ درست ہیں جتنے صحیح کے تحت لکھے ہوئے ہیں۔ جیسے سب سے پہلی غلطی کی تصحیح اس طرح کرائی گئی ہے کہ غلط کے تحت درج ہے "نظارہ روۓ جاناں کا" الخ اور صحیح کے تحت درج ہے "نظارہ" بغیر تشدید۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ "روے جاناں کا" کے الفاظ غلط ہیں اور شعر یوں ہونا چاہیے۔

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب ☆ نظارہ بہانہ کرکے حیرت کا

یہ سراسر غلط ہے۔ مقدمے میں بلکہ صحت نامے میں اس قسم کی ۲۴ رغلطیاں ہیں۔ اب یہ تعداد ۶۱ر ہوگئی۔ میرا خیال ہے کہ اتنی غلطیاں حدائق بخشش کے کسی دوسرے نسخے میں ہرگز نہیں ہوں گی۔ خوب بدنام کیا ہے حضرت امام کو شرر صاحب نے۔ سچ ہے کرے کوئی بھرے کوئی۔

متنی تحقیق میں کسی بزرگ اور مرحوم شاعر یا مصنف کے کلام کی تصحیح کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ کبھی کبھی یہ ایک مجبوری ہوتی ہے۔ جب کسی کتاب کا صرف ایک نسخہ دست یاب ہو اور اُس میں چند غلطیاں نظر آئیں تو قیاسی تصحیح کردی جاتی ہے وہ بھی حاشیے میں۔ متن کی عبارت وہی رہتی ہے جو دست یاب نسخے میں ہو۔ پھر بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اگر ایک سے زیادہ نسخے ہوں تو پھر متن کی تدوین ہوتی ہے۔ وہاں تصحیح کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ تدوین کے کچھ ضوابط و اصول ہیں؛ مگر شرر صاحب بے چارے جو زندگی بھر لہسن اور پیاز کے خواص و آثار پر غور کرتے رہے اور بول و بزار کی تحقیق میں مصروف رہے، ان باتوں کو کیا جانیں۔ اُن کے پیش نظر حدائق بخشش کے دو نہیں متعدد نسخے تھے۔ پھر تدوین کے بجائے نام نہاد تصحیح کیوں کی؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ شاید حضرت امام کے کلام پر اصلاح دینے کا موقع تدوین میں ممکن نہ ہوتا۔

ان جملہ ہائے معترضہ کے بعد اب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

مقدمہ صفحہ ۶۵ / ۶۱۔ اعلیٰ حضرت کی اصلاحی رباعی پھر لکھی ہے۔ رباعی کا چوتھا مصرعہ یوں ہے۔

ع۔ گرتے ہوؤں سے تیر بلا پھر جائے (آخری سطر)

ایک جگہ "گرتے ہوؤں"۔ دوسری جگہ "سہمے ہوؤں" یہ ۶۲ رویں غلطی ہے (بلکہ نقل میں خیانت ہے یا پھر اصلاح)۔

مقدمہ صفحہ ۶۶/ ۶۲ پر انتخاب حدائق بخشش سے دو مصرع یوں نقل فرماتے ہیں۔

کچھ اور طریقے غمِ جاناں نہ بتائے   دیوانہ ہے جو قیس کو دیوانہ بتائے

لکھتے ہیں کہ اگر "بتائے" کو فعول کے وزن پر پڑھا جائے۔ اگر کوئی صاحب اُن کے قریب ہوں تو اُن سے کہیں کہ "بتائے" کو فعول کے وزن پر آپ پڑھ کر دکھا دیجیے (یہ کسی مسخرے ہی سے ممکن ہے)۔ تیسرے مصرع کی بھی مرمت کی ہے مگر قافیے "جاناں نہ" اور "دیوانہ" کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔ گویا یہ اُن کی نظر میں درست ہیں۔ واقعی اگر ماہر قوافی ہو تو کم از کم شرر صاحب جیسا تو ہو ورنہ نہ ہو۔ یہ ۶۳ رویں غلطی ہوئی۔

شرر صاحب نے انتخاب حدائق بخشش میں ۵۸ راغلاط کی نشان دہی کی ہے اور اس وجہ سے اُس کو غیر معیاری قرار دے دیا۔ فقیر نے حدائق بخشش کے نسخہ شرری میں ۶۳ راغلاط کی نشان دہی کی ہے۔ دو تین بھول چوک کی رکھ لیجیے۔ ع بندہ ہوں خدا کا، آدمی ہوں (شرر مصباحی سرقہ از گلزار نسیم) پھر بھی یہ ۶۰ر

رہ جاتی ہیں جو انتخاب (کی ۵۸) سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس نسخے کو بھی غیر معیاری قرار دیا جانا چاہیے۔
مضمون کا حجم معمول کے قریب ہے اس لیے آگے شرر صاحب کی تعلّیوں کا جواب مختصراً درج کروں گا۔
۱۔ شرر صاحب سے یقیناً میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی مگر دشمنی کی وجہ اس مضمون کے شروع میں لکھ دی ہے (بشرطیکہ حذف نہ ہو)۔
۲۔ مجھ پر دلیر ہو جانے کا الزام سراسر غلط ہے۔ بتایا جائے کہ مَیں نے کس کے نام سے کب اور کہاں عبارت گڑھی ہے۔
۳۔ ابھی سے واویلا مناسب نہیں۔ ابھی مَیں نے زیادہ بوجھ نہیں لادا ہے۔ ابھی مزید لادوں گا اور پیچھے سے ہانکوں گا بھی۔
۴۔ فترت کے غلط استعمال پر اللہ رب العزت کے حضور خلوصِ قلب سے تائب ہوں، استغفار کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ شرر صاحب کی طرح ہٹ دھری میرا شیوہ نہیں۔ اس لیے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ کام شرر صاحب کے بتانے پر ہی ہوا ہے۔ (شکریہ) مگر حضرت بیخود دہلوی کا سیّد ہونا ہوسکتا ہے مجھے اُن سے پہلے سے معلوم ہو۔ البتہ "میرے بتانے سے" اور "شرر مصباحی کے کہنے سے" کی تکرار سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف اپنے عقیدے کے مطابق قاسم العلوم ہیں۔
یہ کوئی شعر وسخن کا مسئلہ نہیں تھا۔ شرر صاحب نے اس کو ڈیڑھ سال سے زیادہ مدّت تک دبائے رکھا۔ اس سے وہ بھی گناہ گار ہوئے۔ علی الاعلان توبہ و استغفار کریں۔
ہاں ناشر کی خطا بھی مصنف سے کم نہیں ہوتی۔ کیا شرر صاحب مدیر جامِ نور سے بھی توبہ کا مطالبہ کریں گے؟
۵۔ اس ہیچ مداں کو اپنی جغرافیائی معلومات کا ادعا نہیں ہے۔ شرر صاحب قادیان کے پٹواری رہے ہوں گے۔ گرداس پور سندھ میں نہ ہوگا پنجاب میں ہوگا مگر جس طرح نیپال کے سفر میں وہ سنبھل پہنچے اور جس انداز میں انہوں نے اس کو بیان کیا یہ انداز ہو بہو بھانڈوں کا ہے، وہی ایسی بے سر وپا باتوں کا سوانگ بھر کر لوگوں کو ہنسایا کرتے ہیں اور اگر واقعی شرر صاحب کو جاگتے میں ایسے خواب نظر آتے ہیں تو یہ تشویش کی بات ہے، ابھی مرض کی ابتدائی حالت ہے، بریلی یا آگرہ میں علاج ممکن ہے۔
۶۔ رباعی پر اصلاح کا جواب شرر صاحب کیا دے سکیں گے۔ اپنے منھ میاں مٹھو بننا الگ بات ہے۔ اس بارے میں ایک مضمون مَیں نے ۱۹ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو جامِ نور کو بھیجا تھا جو نومبر کے شمارے شائع نہیں ہوا۔ بہتر ہے شرر صاحب اس فعلِ شنیعہ کا اعتراف کرلیں۔ اس پھندے سے وہ نکل نہیں سکیں گے۔ اسی مضمون میں مَیں نے لکھا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے۔ بندہ ملنے کو .... مطلع والی نعت میں "قادر" کا کوئی دو

حرفی قافیہ نہیں چھوڑا ہے (اس سے پہلے مضمون میں "دو حرفی" لکھنے سے چھوٹ گیا تھا)۔ پھر "صابر گیا" لکھ دینا صحیح جواب نہیں ہوسکتا۔ موصوف نے اکتوبر کے رسالے میں اس کا شافی جواب دینے کا دعویٰ کیا ہے۔ جبکہ وہ محض "بکر بکر" کر کے رہ گئے۔ ملاحظہ فرمالیا جائے۔ اس کو "مار تہمت" کے دانت توڑنا کہہ کر اپنے دل کو خوش کررہے ہیں۔ تھیلی نکالنے کے دعوے کے ساتھ یہ کیا کہ حضرت امین ملت کو دو ۲ خط پڑھ کر سُنا دیے۔ دعوے دیکھیے اور دلائل ملاحظہ فرمایئے۔ یہ ہے شرر صاحب کی "بکر"۔ اہلسنت کو چاہیے کہ اب مناظروں میں طاہر گیاوی صاحب کے مقابلے میں شرر مصباحی کو کھڑا کیا کریں۔ دونوں انداز گفتگو، لن ترانیاں کھینچنے، مزاج، منھ زوری، سینہ زوری میں ایک دوسرے کی True Copy ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے کلام پر اصلاح دینے کے نام پر تو اتنے پریشان ہیں۔ انہوں نے میرے نام سے عبارت گھڑنے کا جو کارنامہ انجام دیا ہے اُس سے بھی انکار کردیں۔ دور دور تک "تھوتھو" ہورہی ہے۔

۷۔ حضرت امینِ ملت نے شرر صاحب کی "بکر" کے بارے میں فرمایا۔ "یہ لفظ اس طرح فٹ ہوگیا ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ"۔ (صفحہ ۴۴) کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "شرر صاحب کی اُستادی میں کلام نہیں، ایک اجنبی اور غریب لفظ کو مصرع کا ایسا جز بنادیا کہ وہ اجنبی اور غیر فصیح نہیں معلوم ہوتا؟" اس جواب سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ شرر صاحب نے اصلاح نہیں دی۔

۸۔ ع قافلے نے سوے طیبہ کمر آرائی کی۔ شرر صاحب کو چُست اور درست لگتا ہے۔ کس برتے پر تتا پانی؟ اتنی لیاقت بھی نہیں تھی تو کس لیے حدائق بخشش کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اب جب کہ انہوں نے اس بات کا تحریری اعتراف کرلیا ہے کہ مصرع چست و درست ہے تو اُن سے یہ سوال کرنا حق بجانب ہے کہ "کمر آرائی کرنا" کہاں کی زبان ہے؟

۹۔ مَیں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے عروض کی ہوا لگی ہے۔ اب اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے عروض کی ہوا بھی نہیں لگی۔ لیکن شرر صاحب اپنے نام کے ساتھ پابندی سے ڈاکٹر لکھتے ہیں۔ مردانگی کی بات ہوگی اگر وہ یہ اعتراف کرلیں کہ اُن کے پاس ڈاکٹریٹ کی کوئی ڈگری نہیں ہے۔ حق گوئی کی ہمت ڈانگدھر صاحب؟

۱۰۔ "لم یات نظیرک فی نظرٍ" الفاظ سے جو نعت شروع ہوتی ہے اُس کے بارے میں پھر دعویٰ کرتا ہوں کہ نہ اعلیٰ حضرت کی غلطی ہے نہ شرر صاحب کی۔ حل اوٹ پہاڑ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس پر کس کس نے فنی حیثیت سے غور کیا۔ ہاں شرر صاحب کے بارے میں ضرور معلوم ہے کہ غور کررہے ہیں اور ان شاء اللہ تاحیات غور کرتے رہیں گے۔ مَیں نے بھی غور کیا اور بہ فضلِ ایزدی مسئلہ حل ہوگیا۔ ایک صاحب کو اس حل پر مطلع بھی کرچکا ہوں۔ حل ابھی لکھ دیتا، مگر چند وجوہ سے نہیں لکھ رہا ہوں (الف) یہ عروض کا مسئلہ ہے اور مجھے عروض کی ہوا نہیں لگی۔ (ب) حدائق بخشش کے مصحح شرر مصباحی ہیں اور یہ انہی

کا دردِ سر ہے۔ (ج) جب شررؔ صاحب قاسم العلوم ہیں تو اُن کو کچھ بتانا اُن کی توہین ہے۔ (د) میں شررؔ صاحب کے مزاج سے واقف ہوگیا ہوں۔ حل کتنا ہی اعلیٰ درجے کا اور درست ہو میری مخالفت میں وہ اُس کا فوراً رد فرمائیں گے۔

جو مَیں جانتا ہوں اُس کے بتانے میں بُخل نہیں۔ لڈو کہنے سے نہیں کھانے سے تو میٹھا ہوگا۔ اگر شررؔ صاحب اپنا یہ اعتراف شائع کرادیں کہ انہیں عروض کی ہوا نہیں لگی ہے اور وہ صابر سنبھلی سے اس بارے میں مدد چاہتے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ فوراً حل پیش کردوں گا۔ ورنہ وہ خود حل کرلیں۔ امید ہے کہ تاحیات کوہ وصحرا میں خاک اُڑائیں گے تو خاک کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۱۱۔ مَرے، گَرے کے ساتھ بِرے کے اشکالات کا حل ۱۹۷۰ء سے پہلے ہو چکا ہے۔ مطبوعہ موجود ہے۔ شررؔ صاحب تلاش کرلیں۔ اگر شررؔ صاحب کو نہ ملے تو اعتراف کریں کہ وہ مَرے، گَرے (ہر دو مفتوح الاوّل) کے ساتھ بِرے (مکسور الاوّل) کے تقفیے کو درست سمجھتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ غلط ہے۔ صابر سنبھلی سے مدد کے خواہاں ہیں۔ تو یہ فقیر مطبوعہ صفحے کی فوٹو کاپی دوسرے دن ہی رجسٹرڈ ڈاک سے اُن کے بتائے ہوئے پتے پر ارسال کردے گا۔ شررؔ صاحب دھونس سے کام نکالنا چاہتے ہیں، مگر علم حاصل کرنے کے لیے اُستاد کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں۔ مَیں تو اُن سے جوتیاں بھی سیدھی نہیں کرا رہا۔ صرف اعتراف چاہتا ہوں۔

ہاں خود حل کرنا چاہیں تو اس کا اُن کے پاس بھی ایک طریقہ ہے۔ ایک اچھی سی عبارت گھڑ لیں۔ کتاب کا نام وضع کرلیں۔ پھر کوئی صفحہ نمبر تجویز کرلیں۔ پریس کی جگہ صبح صادق پریس سیتاپور لکھ لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اُن کے لیے نیا نہ ہوگا۔

شررؔ صاحب نے آخر میں فارسی کا جو شعر نقل کیا ہے ایسے شعر مسخروں کو یاد ہوتے ہیں وہی ان کو یاد رکھتے ہیں اور وہی ہنسانے کے لیے سنایا کرتے ہیں۔ شررؔ صاحب کے مضمون میں بھانڈوں کا سوانگ بھی ہے اور مسخروں کی مسخرگی بھی۔ اس وجہ سے مجھے یہ اعتراف ہے کہ شررؔ صاحب کچھ ایسی اضافی خوبیوں کے مالک ہیں جن کی مجھ جیسے فقیر کو ہوا بھی نہیں لگی۔

دعائے مغفرت کیجیے: ادیب ومحقق ڈاکٹر صابر صاحب سنبھلی کے والد محترم جناب جعفر حسین بروز ہفتہ ۹؍دسمبر ۲۰۰۶ء کو انتقال فرما گئے۔ مرحوم کی عمر ۸۵ سال تھی۔ مرحوم سادہ مزاج، ملنسار، محنتی اور عبادت گزار شخص تھے۔ قارئین سے اپیل ہے کہ مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔

مدیرِ استقامت علامہ ظہیر الدین قادری

از۔ کلیم احمد قادری
مصطفیٰ رضا اکیڈمی۔ دھرن گاؤں، جل گاؤں، مہاراشٹر

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے — اندھیری رات سُنی تھی چراغ لے کے چلے
جناں بنے گی محبانِ چار یار کی قبر — جو اپنے سینے میں یہ چار باغ لے کے چلے

امام التارکین، مجاہد ملت حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی سابق صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے۔ ''جب تم کوئی کام کرو تو وہ خالص رضائے الٰہی کے لیے ہو اس میں اپنے نام و نمود کو دخل مت دو۔ اس کے صلے میں اللہ جل مجدہٗ اپنے فضل سے تمہارا نام اور کام اتنا بلند فرمادے گا کہ تم خود لاکھ کوششوں کے باوجود اپنا نام اور کام اتنا بلند نہیں کرسکتے''۔ (سہ ماہی افکار رضا جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ء ص ۸۴)

محسنِ اہلسنت، ممتاز صحافی، مایہ ناز ادیب، علامہ حافظ و قاری ظہیر الدین قادری برکاتی مدیر اعلیٰ استقامت ڈائجسٹ کانپور انھیں شخصیات میں سے ایک ہیں جنھیں اُن کے کارناموں نے رہتی دنیا تک روشن و تابناک بنادیا۔ آہ! یہ لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ اُن کی رحلت اہل سُنّت کا عظیم نقصان اور میدانِ صحافت میں ایک ناقابلِ تلافی خلا ہے۔ اہل سُنّت کا یہ عظیم بطلِ جلیل اپنی ۶۸ر سالہ عمر مکمل کرکے ۱۸ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کرگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سوادِ اعظم اہل سُنّت کا نقیب و ترجمان اور مذہبی صحافت کا کوہِ گراں مایہ جس نے تمام عمر جہدِ مسلسل سے محض رضائے الٰہی کے لیے کارنامے پر کارنامے انجام دیے اور اکیلے ہی ایک یادوں کی انجمن کو سجادیا۔

وہ اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر — لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

علامہ ظہیر الدین قادری کی ولادت ۱۹۳۸ء میں اتر پردیش کے ایک مردم خیز شہر فتح پور میں ہوئی۔ آپ کے والدِ محترم حضرت تاج الدین صاحب علم و فضل، عشقِ رسالت و اتباعِ مصطفوی کے روشن چراغ تھے اور اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کے سچے عقیدت مند اور مسلکِ حقہ کے پیرو تھے۔ موصوف نے ابتدائی دنیوی تعلیم کے بعد مشیتِ ایزدی سے دینی تعلیم دار العلوم قاسم البرکات مارہرہ شریف میں مکمل فرمائی۔ آپ کے مرشدِ کامل حضرت تاج العلما مولانا مفتی حافظ و قاری سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری نے بطورِ خاص علامہ کو اپنی سرپرستی میں لیکر ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ فرمایا۔ کئی سال مارہرہ شریف جیسی عظیم دینی و روحانی خانقاہ کی زیارت کی سعادت اور تاج العلما جیسی عبقری شخصیت کی خدمت و صحبت کے فیوض سے مالا مال ہوکر آپ نے میدانِ کارزار یعنی کانپور کی سرزمین پر قدم رکھا اور مسجد قلیان ریل بازار کانپور کی امامت و خطابت کو سنبھالا۔

علامہ موصوف نے اسلام وسُنّیت کی خدمت واشاعت کی خاطر کانپور کی سرزمین سے ۱۹۶۱ء میں ہفت روزہ استقامت کا اجرا فرمایا۔ حضرت تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری کے تربیت یافتہ میدانِ علم وقلم کے اس شہسوار نے مضامینِ نو کے ایسے انبار لگائے کہ اس کی بے پناہ مقبولیت کے پیش نظر ۱۹۶۵ء میں استقامت روزنامہ کی شکل میں شائع ہونے لگا۔ مسلسل کئی سال تک روزنامہ کے بعد کچھ ناگفتہ حالات کی بناپر اس اخبار نے ماہ نامہ کی شکل اختیار کرلی۔

علامہ ظہیر الدین قادری نے استقامت ڈائجسٹ کے ذریعے اسلام وسُنّیت کی وہ عظیم الشان خدمات انجام دیں جو انھیں ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھیں گی۔ انھوں نے استقامت ڈائجسٹ کے کئی ضخیم نمبر نکالے جس میں سید محمد عربی نمبر خصوصیت کا حامل ہے۔ ایک ہزار صفحات پر مشتمل نمبر موصوف کا وہ شاندار و جاندار کارنامہ ہے کہ جس کی عالمی سطح پر پذیرائی ہوئی۔ پاکستان کی بزمِ قاسمی برکاتی نے اپنے خرچ پر پاکستان میں خوبصورت انداز میں اس کا ایڈیشن شائع کیا۔ اور پاکستان کے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے موصوف کی اس مہتم بالشان خدمت کو سراہتے ہوئے سونے کے پانی سے لکھا ہوا تقریباً پانچ کلو وزنی انتہائی دیدہ زیب اور جاذب نظر قرآن پاک تحفۂ پیش کیا۔ اُن کا دوسرا عظیم کارنامہ تحفظِ عقاید نمبر ہے۔ جو بلاشبہہ ایک گوہر نایاب ہے جس سے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں فرزندانِ توحید صبح قیامت تک مستفیض ہوتے رہیں گے۔ جو علوم و معارف، اسرار و رموز اور اسلامی عقاید و احکام کا ایسا بحرِ ذخار ہے جس سے عوام وخواص علما وصلحا اور محققین و دانشور اپنے ظرف کے مطابق پیاس بجھاتے رہیں گے۔ اور اپنے ایمان و ایقان کو نکھارتے سنوارتے رہیں گے۔

ان دو عظیم الشان نمبروں کے علاوہ "اولیا نمبر" "حج نمبر"، شامِ کربلا نمبر" مفتی اعظم ہند نمبر" "خواجہ غریب نواز نمبر" "بابری مسجد نمبر" جیسے شاہ کار نمبر اُمتِ مسلمہ کو عنایت فرمائے۔ تا عمر جہدِ مسلسل کے بعد اس قاید نے عصرِ پُرفتن کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے بسترِ علالت سے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی ایک ہزار صفحات پر مشتمل "جہاد نمبر" پیش کر کے قابلِ تقلید کارنامہ انجام دیا۔ اپنی اس صحافتی زندگی میں انھوں نے کیسی کیسی مصیبتیں اور پریشانیاں جھیلیں، کیسے کیسے غم و اندوہ کو برداشت کیا۔ صحافت کا میدان اور وہ بھی مذہبی صحافت کا میدان کتنا سنگلاخ، کیسا سخت اور کس قدر ناہموار ہے اس سے تو وہی واقف ہے جو اس راہ کا مسافر ہو۔ مگر اہل سُنّت کے اس قاید کی قوت ارادی اور حوصلہ مندی کو سلام کہ جس نے نامساعد و دل شکن حالات میں بھی سراپا استقامت بن کر استقامت ڈائجسٹ کے ذریعے دین متین کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اور اپنے آپ کو راہِ مستقیم کا مسافر بنالیا۔ دعا ہے کہ رب العالمین بطفیل رحمۃ اللعالمین ﷺ مولائے محترم کو دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے اور اُن کی قبر پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے　　　حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

اَلتَّحبِیرُ بِبَابِ التَّدبِیرِ: چند اصلاح طلب پہلو

تحریر: خورشید احمد سعیدی، اسلام آباد

رسالے کا تعارف:

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کی بات ہے کہ مولوی اللہ یار خاں صاحب نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ایک سوال لکھا جس میں انہیں مسئلہ تقدیر الٰہی کے بارے میں رہنمائی مطلوب تھی۔ آپ علیہ الرحمۃ نے اس کا ایسا کافی وشافی جواب عنایت فرمایا کہ وہ ایک رسالے کی شکل اختیار کر گیا۔ اس رسالے کا نام "التحبیر ببابِ التدبیر" رکھا گیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ۷۵ ویں سالانہ عرس کے موقع پر رضا اکیڈمی بمبئی نے ۲۵ رصفر ۱۴۱۵ھ مطابق اگست ۱۹۹۴ء کو "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویۃ" کی گیارہویں جلد شائع کی تو التحبیر بباب التدبیر کو اس جلد میں (از صفحہ ۱۷۲ تا ۱۸۶) شامل کر دیا۔ اِدھر رضا فاؤنڈیشن لاہور نے رجب ۱۴۲۶ھ مطابق اگست ۲۰۰۵ء کو فتاویٰ رضویہ کی جلد ۲۹ شائع کی تو اسی رسالے کو بھی (از صفحہ ۳۰۳ تا ۳۲۶) شامل کیا۔

رسالے کا بنیادی موضوع تقدیرِ الٰہی اور تدبیرِ بندہ کا باہمی تعلق ہے۔ انسان کے لیے تقدیر الٰہی کے باوجود تدبیر کا دائرہ کار کہاں تک ہے؟ اور اس سلسلے میں اسلام کیا تعلیم دیتا ہے؟ دعا اور تقدیر کا باہمی تعلق کیا ہے؟ توکل کیا ہے؟ بندہ کو توکل کس وقت کرنا چاہیے؟ کسبِ حلال کی اہمیت کیا ہے؟ کارزارِ حیات میں ایک مسلمان کو کس مستعدی سے شریک ہونا چاہیے؟ وغیرہا موضوعات کی توضیح وتشریح کے لیے رسالے میں تین زبانوں یعنی اردو، عربی اور فارسی کا استعمال کیا گیا ہے۔ فارسی کا استعمال نسبتاً کم ہے جو کہ صرف چند اشعار اور مصرعوں تک محدود ہے۔

اس رسالے کے مباحث کو مدلل بنانے کے لیے جن مصادر ومراجع سے استفادہ کیا گیا ان میں قرآن مجید، کتب احادیث اور کتب فقہ شامل ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس رسالے میں ذکرِ نصوص کے دوران قرآن کے علاوہ دوسرے مصادر سے 'صدہا بلکہ ہزارہا کے پتے دیے' ہیں۔

اس میں قرآن مجید کی سولہ سورتوں سے ۲۵ آیات لی گئی ہیں یعنی: "سورۃ القمر: ۵۳؛ سورۃ یٰسٓ: ۱۲؛ سورۃ الأنعام: ۵۹؛ سورۃ الأنبیاء: ۸۰؛ سورۃ سبا: ۱۰، ۱۱؛ سورۃ القصص: ۲۷، ۲۸، ۲۹؛ سورۃ البقرۃ: ۱۷۹، ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۵۱؛ سورۃ مؤمن/غافر: ۶۰؛ سورۃ النساء: ۵۹؛ سورۃ الأنفال: ۳۹، ۷۳؛ سورۃ الحج: ۴۰؛ سورۃ النور: ۲؛ سورۃ بنی اسرائیل/الإسراء: ۱۹؛ سورۃ الشوریٰ: ۷؛ سورۃ اللیل: ۷، ۱۰، اور سورۃ المائدۃ: ۳۵"۔ ان میں سے بعض آیات مکمل جبکہ بعض جزوی طور پر لائی گئی ہیں۔

اس رسالے میں نقل کی گئی احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعداد چالیس ہے۔ جہاں تک ان کے مصادر ومراجع کا تعلق ہے تو ان میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن امام دارمی، سنن امام بیہقی، مسند امام احمد بن حنبل، مصنف ابن ابی شیبہ، امام بخاری کی الادب المفرد، امام حاکم کی المستدرک، امام طبرانی کی المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، صحیح ابن حبان، امام بیہقی کی شعب الایمان، امام دیلمی کی مسندِ فردوس، امام بخاری کی التاریخ الکبیر، ابونعیم الاصبہانی کی حلیۃ الاولیا، امام بغوی کی شرح السنۃ، تاریخ ابن عساکر، الدر المختار، وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے منہج استدلال کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ آپ حسب ضرورت اور سیاق مسئلہ کے تقاضوں کے پیش نظر اگر ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہیں تو وہاں بعض مباحث کے تفصیلی مطالعے کے لیے اپنی سابقہ تحریروں کا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں تا کہ اگر کوئی قاری زیادہ کی طلب رکھتا ہو اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کی صفت سے موصوف ہو تو وہ بھی محروم نہ رہے بلکہ اس کا رابطہ تحقیق عمیق کے ساتھ قائم ہو جائے۔ اس رسالے کے آخری حصے میں بھی آپ نے یہی کیا ہے۔ آپ نے اپنے رسالے "النھی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید" کا تذکرہ کیا ہے جس میں تکفیر اور حکم تکفیر سے متعلقہ مباحث تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن کی جلد۶ کے صفحہ ۶۴۷ تا ۷۲۱ پر پایا جاتا ہے جبکہ طبع قدیم میں یہ جلد۳ کے صفحہ ۲۸۱ سے شروع ہوتا ہے۔

التحبیر بِبَابِ التدبیر اور اس کے بعض پہلوؤں کے اس مختصر تعارف کے بعد اب آیئے اس کے مطبوعہ متن کے بارے میں عمومی اور خصوصی ملاحظات کی طرف۔ کیونکہ یہاں اصلاح متن کی بہت ضرورت ہے۔

عمومی ملاحظات:

فتاویٰ رضویہ قدیم وجدید کی مذکورہ جلدوں (۱۱ اور ۲۹) میں اس رسالے کو شامل کرتے وقت ناشرین نے یہ واضح نہیں کیا کہ انہوں نے اس رسالے کا متن کہاں سے حاصل کیا؟ آیا اُن کے سامنے کوئی خطی مسودہ تھا یا کوئی سابقہ اشاعت؟ نہ تو مقدمہ میں اور نہ ہی اس رسالے کے آغاز میں حاشیہ میں کہیں اس کی وضاحت ملتی ہے حالانکہ رضویات کے حوالے سے کام کرنے والے محققین کو ان معلومات کی ضرورت پڑتی ہے اور مستقبل میں اس کی شدید ضرورت پڑے گی کیونکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی تحریروں اور تصانیف پر اب تک جو کام راقم الحروف کی نظروں سے گزرا ہے متنوع الاقسام غلطیوں سے پُر ہے۔ لہٰذا غلطیوں سے پاک اشاعت کے لیے اصلی مسودہ، مخطوطہ یا اَقرب اِلی الاصل (زماناً اَو اِشرافاً) اشاعت کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

رضا فاؤنڈیشن لاہور نے ۱۹۸۵ء سے فتاوی رضویہ پر نئے انداز سے کام کا آغاز کیا۔ اس کی

طرف سے شائع ہونے والے ایڈیشن کی پانچ نمایاں خصوصیات اور سابقہ اشاعتوں سے اس کے امتیازات کو جلد اوّل کے صفحہ ۲۳ پہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی دو خصوصیات یہ بتائی گئی ہیں:

"۱۔ عربی اور فارسی عبارات ایک کالم میں اور ان کا ترجمہ دوسرے کالم میں شامل کیا گیا ہے۔ ۲۔ حاشیہ میں حوالوں کی تخریج کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ عبارت کس جلد کے کس صفحہ پر ہے اور ایڈیشن کون سا ہے، اور جہاں مصنف کی اپنی عبارت ہے وہاں (م) اور ترجمہ کی جگہ (ت) لکھا گیا ہے۔"

فتاوی رضویہ کی سابقہ اشاعتوں کے مطالعے سے قاری کو علم ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے بعض جگہ عربی عبارات کا ترجمہ خود لکھ دیا تھا۔ اب رضا فاؤنڈیشن کے ایڈیشن کی ان خصوصیات سے معلوم ہوا کہ رضا فاؤنڈیشن نے بقیہ غیر مترجمہ عربی اور فارسی عبارات کے ترجمہ کی صورت میں جو اضافے کیے ہیں ان کے آگے انہوں نے (ت) لکھ دیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن عبارات کا ترجمہ ان کا نہیں ہے وہاں انہیں (ت) نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ حالانکہ ایسا ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ مصنف کی عبارت کو مترجم سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

مثلاً التحبیر بباب التدبیر جو فتاوی رضویہ کی اگست ۱۹۹۴ء میں رضا اکیڈمی بمبئی سے شائع ہونے والی جلد ۱۱ میں شامل کیا گیا اس میں مذکور تقریباً تمام قرآنی آیات کے لیے ترجمہ کنز الایمان درج کیا گیا ہے مگر رضا فاؤنڈیشن کے ایڈیشن جلد ۲۹ میں شامل اس رسالے کی ان آیات کے ترجمہ کے ساتھ (ت) لکھ دیا گیا ہے۔ گویا یہ مصنف کا نہیں بلکہ جلد ۲۹ کے مترجم کا ترجمہ ہے۔ اب یا تو مندرجہ بالا بیان کردہ اس نئے ایڈیشن کی خاصیت میں ترمیم ہونی چاہیے یا یہاں ہر جگہ سے (ت) کو ہٹانا چاہیے اور یہی کرنا بہتر ہے۔

ہاں، طبع قدیم میں اس رسالے کے خطبہ اور اس میں مذکور چالیس احادیث کے حوالہ جات اور اسناد وغیرہ کا ترجمہ نہیں کیا گیا تھا۔ اب اگر طبع جدید میں ان کا ترجمہ توسین میں دے کر اس کے ساتھ (ت) لکھ دی گئی ہے تو یہ رضا فاؤنڈیشن کے وضع کردہ اصول کے تحت درست ہے۔

خصوصی ملاحظات:

اس تحریر سے پہلے کچھ مضامین مشمولہ ماہنامہ "معارف رضا" کراچی اور سہ ماہی "افکار رضا" میں فتاوی رضویہ جدید ایڈیشن کے متن کی اصلاح کے سلسلے میں صورت حال مختصراً قارئین کی خدمت میں پیش کی جاچکی ہے۔ یہاں کچھ باتیں خاص طور پر "التحبیر بِبابِ التدبیر" رسالے کے متن سے متعلق حاضر ہیں۔

"التحبیر بِبابِ التدبیر" کے متن کا جائزہ لینے کے لیے فتاوی رضویہ میں شامل اس کے متن کا تقابلی مطالعہ کیا گیا۔ اس طرح چھبیس مقامات ایسے سامنے آئے جہاں اختلافات اور اخطاء ہیں۔ انہیں درج ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ عبارات کے سامنے دوسرے کالم میں لکھے لفظ بمبئی سے مراد فتاوی رضویہ جلد ۱۱ مطبوعہ بمبئی اور لفظ لاہور سے مراد فتاوی رضویہ جلد ۲۹ مطبوعہ لاہور ہے جبکہ ان کے ساتھ لکھے پہلے نمبر سے مراد

صفحہ نمبر اور ترچھی لکیر کے بعد والے نمبر سے مراد سطر نمبر ہے۔ آخری کالم میں راقم کی رائے بھی پیش ہے۔

عبارت	حوالہ	راقم کی رائے
۱۔ تمہیں آنچ سے بچائے۔	بمبئی ۱۷۳/۱۸	غلط
تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے	لاہور ۳۰۵/۱۱	درست
۲۔ ان شاء اللہ من الصّٰبرینO	بمبئی ۱۷۴/۳	غلط
ان شاء اللہ من الصّٰلحین O	لاہور ۳۰۶/۱	درست
۳۔ فلا عدوان واللہ ما نقول وکیلO	بمبئی ۱۷۴/۴	غلط
فلا عدوان علیّ واللہ علٰی ما نقول وکیلO	لاہور ۳۰۶/۳	درست
۴۔ یہ جانے دیجئے	بمبئی ۱۷۴/۱۶	غلط
یہ بھی جانے دیجئے	لاہور ۳۰۶/۱۱	درست
۵۔ اطیعوا اللہ واطیعوالرسول	بمبئی ۱۷۵/۲۱	غلط
اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول	لاہور ۳۰۸/۱۰	درست
۶۔ (تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کردینگے)	بمبئی ۱۷۷/۱۰	غلط
تو بہت جلد ہم اُسے دشواری مہیا کردینگے	لاہور ۳۱۰/۸	درست
۷۔ ...غیر داءٍ واحد الھرم۔	بمبئی ۱۷۸/۲۱	درست
...غیر داءٍ واحد الھزم۔	لاہور ۳۱۳/۲	غلط
۸۔ عن ابن عباس وابن عباس وابن عساکر	بمبئی ۱۸۰/۹_۱۰	غلط
عن ابن عباس وابن عساکر	لاہور ۳۱۶/۱_۲	درست
۹۔ والبغوی الباوردی	بمبئی ۱۸۰/۱۳	
والبغوی و الباوردی	لاہور ۳۱۶/۷	
۱۰۔ لا یکفرھا الصلوۃ والا الصیام	بمبئی ۱۸۰/۲۵	غلط
لا یکفرھا الصلوۃ ولا الصیام	لاہور ۳۱۷/۷	درست
۱۱۔ کچھ گناہ ہیں ایسے ہیں	بمبئی ۱۸۰/۲۷	غلط
کچھ گناہ ایسے ہیں	لاہور ۳۱۷/۶	درست

۱۲۔ جو آدمی کو تلاشِ معاشِ حال میں پہونچتی ہیں۔	بمبئی ۱/۱۸۱	غلط
جو آدمی کو تلاشِ معاشِ حلال میں پہنچتی ہیں۔	لاہور ۸/۳۱۷	درست
۱۳۔ وابو نعیم فی الحلیۃ	بمبئی ۲/۱۸۱	درست
وانو نعیم فی الحلیۃ	لاہور ۹/۳۱۷	غلط
۱۴۔۔۔۔من ترک دنیاہ لِاٰخرتہ لدنیاہ	بمبئی ۱۷/۱۸۱	غلط
...من ترک دنیاہ لِاٰخرتہ ولا اٰخرتہ لدنیاہ	لاہور ۳۱۸/۴۔۵	درست
۱۵۔ دل کی نظر تقدیر ہے۔	بمبئی ۵/۱۸۲	غلط
دل کی نظر تقدیر پر ہے۔	لاہور ۱/۳۱۹	درست
۱۶۔ رزق بر توزتو عاشق تراست	بمبئی ۷/۱۸۲	غلط
رزق تو بر توزتو عاشق تراست	لاہور ۳/۳۱۹	درست
۱۷۔ وسیلہ ڈھونڈوااس کی راہ میں جہاد کرو	بمبئی ۲۰/۱۸۲	غلط
وسیلہ ڈھونڈواوراس کی راہ میں جہاد کرو	لاہور ۱۷/۳۱۹	درست
۱۸۔ الدّواءُ من القدر	بمبئی ۱/۱۸۳	درست
الدّوا من القدر	لاہور ۴/۳۲۰	غلط
۱۹۔ سردارانِ لشکر ابو عبیدہ بن الجراح وخالد الولید وعمرو بن العاص وغیرہم	بمبئی ۶/۱۸۳	غلط
سردارانِ لشکر ابو عبیدہ بنالجراح وخالد بن الولید وعمرو بن العاص وغیرہم	لاہور ۱۱/۳۲۰	درست
۲۰۔ اَفِرَارامن قدر اللہ	بمبئی ۹/۱۸۳	درست
اَفِرَارامن اللہ	لاہور ۱۴/۳۲۰	غلط
۲۱۔ کہ تم شاداب میں چراؤ گے	بمبئی ۱۷/۱۸۳	غلط
کہ اگر تم شاداب میں چراؤ گے	لاہور ۲۲/۳۲۰	درست
۲۲۔ اخرجہ الائمۃ مالک واحد والبخاری	بمبئی ۱۸/۱۸۳	غلط
اخرجہ الائمۃ مالک واحمد و البخاری	لاہور ۱/۳۲۱	درست

۲۳۔... فاتقو اللہ	بمبئی ۱۸۴/۱۳	غلط
... فاتقوا اللہ	لاہور ۳۲۲/۱۰	درست
۲۴۔... فاتقو اللہ	بمبئی ۱۸۴/۲۲	غلط
...فاتقوا اللہ	لاہور ۳۲۳/۸	درست
۲۵۔...شامت سخت خانکاہ ہے	بمبئی ۱۸۶/۲	غلط
...شامت سخت جانکاہ ہے	لاہور ۳۲۴/۲۲	درست
۲۶۔... عن ابی ذروابن حبان صحیح عن ابی سعید	بمبئی ۱۸۶/۱۰	غلط
... عن ابی ذروابن حبان بسند صحیح عن ابی سعید	لاہور ۳۲۵/۱۱	درست

اس تقابلی مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رضا فاؤنڈیشن نے اگرچہ اکثر اغلاط کی تصحیح کردی ہے مگر ابھی مزید تصحیح کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں بعض اغلاط کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے (دیکھیے: سہ ماہی 'افکار رضا' ممبئی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء اور 'معارف رضا' کراچی، اگست ۲۰۰۶ء)۔ مزید یہ کہ اگرچہ چند مقامات پر طبع ممبئی کے اختیار کردہ کلمات درست ہیں مگر اس کے ناشرین کو آئندہ سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

اس مطالعے سے یہ بات بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ جب تک تصحیح کا کام مکمل نہیں ہو جاتا فتاوی رضویہ طبع رضا فاؤنڈیشن لاہور کے قاری ہوں یا طبع ممبئی کو استعمال کرنے والے دونوں صاحبان کو بہرحال سورۃ الفرقان کی آیت ۷۳ "وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا" کی روشنی میں اصولِ درایت کا لحاظ رکھ کر فتاویٰ رضویہ سے استفادہ کرنا ہوگا۔

ھذا ما امکننی، واللہ اعلم بالصواب

(تاریخ تحریر: یکم ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۲۰۰۶ء)

اخبارِ رضا

○ "سیرتِ مصطفےٰ جانِ رحمت" مؤلفہ: علامہ محمد عیسیٰ رضوی، مرکزِ اہلسنت برکاتِ رضا، پور بندر، گجرات سے شائع کی گئی ہے۔ (پانچ جلدوں کی یہ کتاب امام احمد رضا کی تصانیف سے سیرتِ رسول ﷺ سے متعلق افادات کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہے لیکن اس کتاب کے ٹائٹل پر امام احمد رضا شائع ہوگیا ہے جس سے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف تو نہیں۔) ○ ماہ نامہ "ماہِ نور" دہلی نے دو خصوصی نمبرات کا اعلان کیا ہے۔ "اسلام اور حقوقِ انسانی نمبر" اگست ۲۰۰۷ء میں اور "ہندستانی مذاہب اور افکار نظریات نمبر" دسمبر ۲۰۰۷ء میں اشاعت پذیر ہوگا۔ اہلِ قلم حضرات سے اپیل کی جاتی ہے کہ موضوع کی مناسبت سے مضامین روانہ کریں۔ پتہ: ماہ نامہ ماہِ نور، ۴۱۹، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔ ۶ موبائل: ۰۹۸۶۸۵۹۵۰۸۳

تبصرۂ کتب:

نام کتاب: سال نامہ یادگار رضا ۲۰۰۶ء

مرتب : غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

مبصر : کلیم احمد قادری (دھرن گاؤں) جل گاؤں۔ مہاراشٹر

تاج دار اہل سنّت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ابوالبرکات، محی الدین آل الرحمٰن محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کا ۲۵ ر سالہ عرسِ مبارک ۱۴۲۷ھ پورے عالمِ سنّیت میں بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ متعدد تنظیموں اور اداروں نے اپنی استعداد کے مطابق یادگارِ نوری میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مگر شایانِ شان عرس نوری منانے کا سہرا رضا اکیڈمی کے سر جاتا ہے۔ ہمدردِ سنّیت، ناشرِ کتب رضویات و بانی رضا اکیڈمی الحاج محمد سعید نوری صاحب اور اُن کے رفقا نے رضا اکیڈمی کے پلیٹ فارم سے ۲۵ ر سالہ عرسِ نوری کی مناسبت سے متعدد پروگرام منعقد کیے، جس میں نوری انعامی مقابلہ، ''کاروانِ نوری''، عرس رضوی پر کتب اہل سنّت کی صرف ۲۵ ر روپے میں فراہمی، ۲۳ ر انچ چوڑا اور ۳۶ ر انچ لمبا یادگار نوری کیلنڈر قابلِ ذکر ہیں۔

اسی نورانی سلسلے کی نوری کڑی راقم کے پیش نظر رضا اکیڈمی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلّہ یادگار رضا ۲۰۰۶ء کا حضور مفتی اعظم نمبر ہے۔ سرورق جاذب نظر، مضبوط جلد، عمدہ سفید کاغذ، کمپوٹرائزڈ کتابت صفحات ۲۰۸ اور اہل علم وقلم کے قیمتی نگارشات سے مرصع بارگاہِ تاج دارِ اہل سنّت میں یہ خوبصورت نذرانہ امام اہل سنّت کے مشہور زمانہ شعر۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے	میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

سے شروع ہوکر اس شعر پر اختتام پذیر ہے۔

فرخ زیبا کے جلووں سے دل تاریک روشن ہے	تیری یادوں کے پھولوں سے مرا صحرا بھی گلشن ہے

نوری مشن مالیگاؤں کے روحِ رواں غلام مصطفیٰ رضوی اس یادگاری مجلّہ کے مرتب ہیں جنھوں نے قلیل مدت میں رضویات پر قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اُن کا قلم پروفیسر مسعود احمد صاحب کے طرزِ تحریر کا فیض یافتہ معلوم ہوتا ہے۔ سمندر کو کوزے میں سمونے والا معاملہ جس کی صداقت میں اُن کے قلمی شاہ کار اداریہ ''تذکار نوری'' سے ایک عبارت نقل ہے جس میں انھوں نے حضور مفتیِ اعظم کی متعدد خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔

''مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) امام احمد رضا بریلوی

کے جانشین اور فرزندِ اصغر تھے۔ عالم اسلام کی نگاہوں کا محور تھے۔ افتا نویسی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تقویٰ وطہارت اور بلندی کردار سے متصف تھے۔ مرجع فتاویٰ تھے۔ ملت اسلامیہ کے قاید اور مدبر تھے۔ اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) کی نگاہوں کا سرور تھے۔ نوری نسبت نے آپ کو نوری بنادیا۔"

اس یادگاری مجلّہ کا دوسرا مضمون بانی رضا اکیڈمی الحاج محمد سعید نوری صاحب کا اپنے مرشد گرامی کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت ہے جس میں انھوں نے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی نوری صحبت کا نورانی تذکرہ کیا ہے۔ سعادت مند موصوف اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مرشدِ گرامی کی محبتِ کامل میں لکھتے ہیں: "جب بھی بریلی شریف حاضر ہوا حضرت کے خادم حضرت ناصر میاں (ناصر چچا) یا بابو بھائی حضرت کو بتاتے کہ یہ سعید بھائی بمبئی سے آئے ہیں تو حضرت مسکرا کر فرماتے کہ اللہ سعید بنائے۔ مجھے اپنے مرشد کے قول پر اس قدر بھروسہ اور اعتماد ہے کہ میں مرنے سے ایک ساعت پہلے ہی سہی نیک ضرور ہوجاؤں گا۔" مرشدِ گرامی سے محبت ہو تو ایسی ہو۔

شہزادۂ حضور سراج ملت سید محمد منہاج رضا ہاشمی رضوی نے حضور مفتی اعظم کے ایک مصرع کو عنوان بنا کر اپنے مختصر مقالے میں بہترین معلومات فراہم کی ہے۔ "کہ ہوا ہے خاتمہ ایمان پر ترا نوری" اس مصرع سے استخراج کرتے ہوئے آپ نے یہ ثابت کیا کہ حضور مفتی اعظم نے یہ شعر کیا کہا بلکہ اپنا خاتمہ اور کمال انجام بلکہ اپنے وصال کی تاریخ بھی بتادی۔

جبھی ہیں خلد کے حور و قصور آنکھوں میں ☆ کہ ہوا ہے خاتمہ ایمان پر ترا نوری

۱۴۰۲ھ

خلفائے حضور مفتی اعظم حضور سراج ملت سید سراج اظہر رضوی، محبوب العلما مفتی محبوب رضا روشن القادری اور مریدین خصوصاً شہزادۂ محبوب ملت الحاج منصور علی خاں صاحب اور ہمدردِ سُنّیت الحاج محمد سعید نوری صاحب کا تذکرہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ذات کیا ہوگی جن کے خلفا و مریدین اسلام و سُنّیت کی وہ خدماتِ جلیلہ انجام دے رہے ہیں کہ ایک عالم اُن سے فیض یاب ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب کے دو مقالے "حضور مفتی اعظم شعر و سخن کے آئینے میں" اور "مفتی اعظم یادوں کے جھروکے سے" مجلّہ کی زینت ہے۔ موصوف نے اوّل الذکر مقالے میں نوری دیوان "سامانِ بخشش" سے منتخب اشعار کے شاعرانہ محاسن پر نظر ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "آپ کے بعض اشعار تو ایسے ہیں کہ عارف رومیؔ کا نغمۂ عرفانی ...... جامیؔ کی سرمستی و بے خودی ...... امیر خسرو کی عشوہ طرازی ...... حافظ کی منظر کشی ...... سعدی کی جدتِ تخیل کی بوقلمونی ...... اور اس پر امام الکلام شاہ ملکِ سخن امام احمد

رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان کے ندرتِ تخیل کی عطر بیزی سونے پر سہاگہ کی بہار دکھا رہی ہے۔

اپنے دوسرے مقالے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری نے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے مقدس و متبرک ایام کی یادوں کو الفاظ کے وہ حسین سانچے میں ڈھالا ہے کہ ایک بار نہیں بلکہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ موصوف نے حضور مفتی اعظم کے تقویٰ و طہارت، علم و عمل، جمال و جلال، خلوص و وفا، درد و فکر، سادگی و شگفتگی، خاکساری و ملنساری، نصیحت و ہدایت، تجلیات و تصرفات، برکات و تبرکات ...... گویا گلدستۂ نوری کے ہر پھول کی خوشبو سے قاری کی مشام جاں کو معطر کر دیا ہے۔

خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف میں آرام فرما مشہور بزرگ مرشدِ مفتی اعظم سیدنا ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ کی حیات و خدمات کا تذکرۂ جمیل غلام مصطفیٰ قادری رضوی نے کیا ہے۔ حقیقتاً یہ مقالہ اس نمبر کی ضرورت تھا کیوں کہ مرشدِ گرامی ہی کی روحانی تربیت کا نتیجہ تھا کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم عالم ہوئے۔ علامہ محمد عبدالمبین نعمانی صاحب کی مرتب کردہ ''کتابیاتِ مفتی اعظم ہند'' جس میں انھوں نے مفتی اعظم قدس سرہٗ کی سوانح پر لکھی جانے والی ۵۵ کتب، رسائل و جرائد کا اندراج کیا ہے جس سے تحقیق و تحریر سے شغف رکھنے والے اہلِ علم و قلم ضرور استفادہ حاصل کر سکیں گے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے مقالے ''تذکارِ مفتی اعظم'' میں حضور مفتی اعظم کے تجدیدی کارناموں خصوصاً آپ کے دورِ مبارک میں اُٹھنے والے فتنوں کے سدِّ باب میں حضور مفتی اعظم کی مومنانہ فراست، سیاسی بصیرت کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف نے حضور مفتی اعظم کے دورِ مبارک کی اسلام مخالف و مسلم کش تحریکات، شدھی تحریک، خلافت تحریک، ترکِ موالات، ہجرت تحریک، جہاد تحریک، جبری نس بندی وغیرہ میں حضور مفتی اعظم کی مساعیٔ جمیلہ اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کا حق ادا کرنے کا تذکرہ بہترین انداز میں کیا ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی کا مقالہ ''فتاویٰ مصطفویہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ'' ''حضور مفتی اعظم کے فتویٰ نویسی کے حوالے سے بہترین و معلوماتی ہے۔ اگرچہ یہ مقالہ سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح اسی مجلہ نمبر میں شامل ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا مقالہ ''مفتی اعظم ہند ...... مجدد کیوں؟ رضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف سے علاحدہ کتابی صورت میں ۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے مگر ان کی مکرر اشاعت ''مفتی اعظم نمبر'' کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔

سرکارِ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے احترامِ سادات و نیابت و محبتِ غوث اعظم کا جو درس حضور مفتی اعظم کو ورثے میں ملا تھا آپ تادمِ زیست اس کے غماز رہے۔ اس سلسلے کے تحت سید فرقان علی رضوی چشتی نے اپنے مقالے ''مفتی اعظم ہند اور محبتِ سادات'' اور غلام مصطفیٰ قادری نے اپنے مقالے بعنوان ''محبتِ

غوث اعظم اور مفتی اعظم عالم'' میں آپ کی حیات سے متعدد واقعات حیطۂ تحریر میں لائے ہیں۔ اتباعِ شریعت کے ضمن میں حافظ شکیل احمد رضوی کا مقالہ ''حضور مفتی اعظم اور نمازوں کا اہتمام'' اور مظہر حسین علیمی کا مقالہ ''حضور مفتی اعظم کا تقویٰ'' ہم مسلمانوں کے لیے درسِ عبرت ہے۔ اتباعِ شریعت سے سُستی وغفلت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج مسلمان پستی وتنزلی کا شکار ہے۔

حضور مفتی اعظم اور اُن کی تعلیمات کے حوالے سے غلام مصطفیٰ رضوی کا مقالہ اس نمبر کے حسن میں رنگ بھرتا ہے۔ موصوف نے متعدد مسائل جیسے ٹائی باندھنا، قبر پر اذان، سجدۂ تعظیمی، قوالی ومزامیر، مراسمِ محرم، مرد کو مہندی لگانا، بدمذہب کی اقتدا وغیرہ پر بہترین خامہ فرسائی کی ہے جو بہت مختصر ہے۔ موصوف اگر کوشش کرتے تو ردِّ بدعات ومنکرات میں کئی مسائل اس عنوان کے تحت لائے جاسکتے تھے۔

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا مختصر مقالہ سوانح حضور مفتی اعظم کے مختلف پہلوؤں کو سموئے ہوئے ہیں۔ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کا مقالہ ''اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں'' نسبت وعقیدت سے بھرپور اور مریدین، معتقدین ومتوسلین کو اپنے نصیبے کی بلندی پر مسرور کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف محققین کے مقالہ جات خصوصاً ''مفتی اعظم ہند ایک عظیم روحانی شخصیت'' ازمولانا محمد ظفر رضوی، ''کلامِ نوری میں اذکارِ توحید'' از محمد رضا عبدالرشید، ''مفتی اعظم کی تصانیف کا اجمالی تعارف'' از محمد حسین مشاہد رضوی یادگارِ رضا کے مفتیِ اعظم نمبر کے حسن میں چار چاند لگاتے ہیں۔ یادگارِ رضا کے آخری دو مقالے رضویات سے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر زبیر احمد قمر دیگلوری کا مقالہ ''مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری میں صنعات کا استعمال'' خوب ہے مگر مفتیِ اعظم نمبر کے حوالے سے اگر حضور مفتیِ اعظم کے دیوان سے اردو صنعات کے اشعار منتخب کرکے اس قسم کا مقالہ شامل کرلیا جاتا تو خوب سے خوب تر ہوتا۔ اس کے علاوہ ''سائنسی نظریات پر اعلیٰ حضرت کی تحقیقات'' مقالہ رضوی سلیم شہزاد نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔

آخر میں یادگارِ رضا سے متعلق صاحبانِ قرطاس وقلم کے مکتوبات کے اقتباسات کو شاملِ اشاعت کیا گیا ہے جو یقیناً معلوماتی ویادگاری ہیں۔ مجموعی طور سے یادگارِ رضا کا حضور مفتی اعظم نمبر ''نوریات'' کے باب میں روشن روشن اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ نئے قلم کاروں نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ یہ ایک خوش آیند بات ہے۔ بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ رضا اکیڈمی کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مجاہدِ سُنیت الحاج محمود سعید نوری صاحب اور ان کے رفقا کار کو اور ہم سب کو دونوں جہان کی نعمتوں سے مستفیض فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نام کتاب: "عقیدت کے پھول"

شاعر : شیو بہادر سنگھ دلبرؔ

صفحات : ۲۸۶

ملنے کا پتہ: شیو بہادر سنگھ دلبرؔ، ۹، چندر نگر، رائے بریلی۔ ۲۲۹۰۰۱ (یوپی)

قیمت : ۱۰۰/- روپے

مبصر : م۔ لئیق انصاری

نعت گوئی اردو شاعری کی سب سے زیادہ نازک اور مشکل صنف ہے کیونکہ اس میں شاعر کی ذرا سی کوتاہی اسے تنقیصِ رسالت کا موجب بنا دیتی ہے اور ضرورت سے زیادہ مبالغہ آرائی کی تو الوہیت دامن گیر ہوتی ہے۔ الوہیت اور رسالت کے درمیان اس نازک رشتے کو نباہنا واقعی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے کہ غالب جیسا شاعر بھی یہ کہہ کر قلم روک لیتا ہے کہ۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم ☆ کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

اس کے باوجود ہر دور، ہر زبان، ہر خطے اور ہر طرز میں پیغمبرِ اسلام کی عظمت و محبت کے گیت گائے گئے ہیں۔ مے خانۂ طیبہ کے بادہ کشوں نے بانیِ اسلام کی نعت خوانی کے لیے مختلف اسلوب اپنائے اور محبتِ رسول ﷺ کی شمع تجلی ریز ہوتی رہی۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین کی آفاقیت اور عالم گیریت نے غیر مسلمین کو بھی اس قدر متاثر کیا کہ وہ بھی شمعِ توصیفِ رسالت پر مثلِ پروانہ نثار ہونے لگے۔ مذہب و ملت کے دائرے اتنے وسیع ہو گئے کہ ایک عالم محمدِ عربی ﷺ کا ثنا خواں ہو گیا۔

ہندو نعت گو شعرا کی ایک طویل فہرست ہے جن میں دلو رام کوثری، شیو پرشاد وہبیؔ لکھنوی، سر کشن پرشاد شادؔ، برج موہن کیفیؔ، درگا سہائے سرورؔ، بال مکند عرشؔ ملسیانی، سکھ دیو پرشاد بسملؔ، جگن ناتھ آزادؔ، رگھوناتھ خطیبؔ، سوم ناتھ سومؔ، فراقؔ گورکھ پوری، نرائن داس ٹنڈن، ہری چند اختر، کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، کرشن بہاری نورؔ، چندر پرکاش جوہرؔ، گلزار دہلوی، کالی داس گپتا رضاؔ، اوم پرکاش قمرؔ جلال آبادی، رویندر جین، جوہر بجنوری، کرشن کمار ہینک، ستنام سنگھ خمارؔ، ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، شیو پرشاد برگؔ، ہنومان پرشاد عاجزؔ، گنیش بہاری طرزؔ، کیلاش چند نازؔ، آنند نرائن ملاؔ، سدھیر بیکس، سردار کرنیل سنگھ پنچھی اور چرن سنگھ بشرؔ کے نام بہت مشہور ہیں۔ جنہوں نے کیف اور جذبے سے سرشار ہو کر نعتیں کہی ہیں اور مدح گویانِ محمد ﷺ میں اپنا نام لکھانے کی سعادتیں حاصل کی ہیں۔ شیو پرشاد بہادر سنگھ دلبرؔ انھیں میں ایک ہیں جنہوں نے نعتیہ شاعری کے حوالے سے نہ صرف اپنی پہچان بنائی بلکہ دنیائے فہم و بصیرت کو ایک دیدہ زیب اور معیاری

مجموعہ نعت ''عقیدت کے پھول'' پیش کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔ ورنہ عموماً شعرا تیس چالیس برس تک شاعری کرنے کے بعد بھی تیس چالیس نعتیں بھی نہیں کہہ پاتے۔

شیو بہادر سنگھ دلبر کا جذبۂ عقیدت کتنا حقیقی ہے اور کتنا مصنوعی اس کا اندازہ ان کی نعتوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ فوج کے محکمے میں اکاؤنٹنٹ (Accountant) کے عہدے پر متعین یہ شخص تمام مصروفیات کے باوجود شعر گوئی کا جذبہ رکھتا ہے وہ بھی نعت گوئی کا جو یقیناً ایک اعزاز ہے۔ اور اس جذبے کی دنیائے شعر و ادب میں خاطر خواہ پذیرائی کی جانی چاہیے۔ ''عقیدت کے پھول'' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دلبر نے عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر نعتیں کہی ہیں۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں ۔

نبی کا زباں پر جو نام آگیا ہے ‏ ‏ ‏ خلوص و وفا میرا کام آگیا ہے

پڑھی نعت مَیں نے تو یہ شور اُٹھا ‏ ‏ ‏ یہ دلبر نبی کا غلام آگیا ہے

مدحتِ رسول کی کیفیت شاعر پر طاری ہوتی ہے تو بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے۔

خوشی جب مل گئی مجھ کو نبی سے ‏ ‏ ‏ شعورِ زندگی آیا تبھی سے

مَیں ہندو ہوں مگر عاشق ہوں اُن کا ‏ ‏ ‏ ہوا مجبور میں جذبِ دلی سے

اکثر نعت گو شعرا کے یہاں کچھ فنی خامیاں نظر آتی ہیں اور کبھی مافی الضمیر ادا نہیں ہوتا لیکن دلبر کا کلام اس خامی سے پاک نظر آتا ہے۔ کیفیت جذبات کو آئینے کی طرح نمایاں کر دیتی ہے ۔

پہنچا دیا ہے تو نے وہاں تک اِدھر کی بات ‏ ‏ ‏ کچھ تو بتا نسیم سحر اب اُدھر کی بات

لے چل اڑا کے اُس درِ اقدس پہ اے صبا ‏ ‏ ‏ سرکار کو سُنائیں گے زخمِ جگر کی بات

مدحتِ خیر البشر اگر شاعر کا نصب العین بن جائے اور خاک پائے رسول کی حصولیابی جس کی آرزو ہو تو مقدر خود اس پر ناز کرنے لگتا ہے۔

دلوں میں جو حسنِ عقیدت لیے ہیں ‏ ‏ ‏ وہ فخرِ امم کی محبت لیے ہیں

ملے خاک پائے نبی ہم کو دلبر ‏ ‏ ‏ یہی دل میں بس ایک حسرت لیے ہیں

دلبر کی نعتیہ شاعری ان کی حسنِ عقیدت کا آئینہ ہے اور اس پر وہ نازاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ خود کہتے ہیں ۔

یادِ شہ بطحا نے جب آکے ہوا دی ہے ‏ ‏ ‏ لو شمعِ محبت کی کچھ اور بڑھا دی ہے

جب نعت سناتا ہوں چھا جاتی ہے اک مستی ‏ ‏ ‏ قدرت نے مجھے دلبر وہ طرزِ ادا دی ہے

رحمتِ عالم، نورِ مجسم جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کسی ایک قوم، ملک اور خطّے کے لیے نہیں بلکہ وہ تمام عالمین کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے، چنانچہ دلبر فخر سے کہتے ہیں ۔

بلا تفریق وہ سب کے لیے ہیں رحمتِ عالم
میں ہندو مجھے بھی رحمتِ عالم سے نسبت ہے
یقیناً مغفرت میری بھی ہو جائے گی محشر میں
غلام ان کا ہوں میرے حق میں بھی انکی شفاعت ہے

دلبر نے مشکل ردیفوں اور زمینوں پر بھی اچھی اور پُر کیف نعتیں کہی ہیں اور حق یہ ہے کہ خوب کہی ہیں۔ جن کی لذت اور کیفیت برسوں محسوس کی جائے گی۔ موصوف کے نعتیہ کلام کو صرف اس نظریے سے دیکھا جائے کہ ایک غیر مسلم شاعر ہوتے ہوئے بھی بارگاہِ رسالت مآب میں صدق دل سے نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جس کے لیے بجاطور پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ "عقیدت کے پھول" شیو بہادر سنگھ دلبر کا خوبصورت نعتیہ شعری مجموعہ ہے جس کی ایک جھلک دیکھ کر ہی بے ساختہ تعریفی کلمات لبوں پر آجاتے ہیں۔ اردو اور ہندی زبانوں میں شائع ہونے والے اس مجموعے میں ایک حمد اور ایک سو نعتیں ہیں جس کی ضخامت ۲۸۶ صفحات ہے۔ ہر صفحے پر بڑے قرینے سے خوبصورت بارڈر میں نعتوں کو شائع کیا گیا ہے۔ سرورق بڑا پر کشش اور دیدہ زیب ہے جسے لکھنؤ کے آرٹسٹ ایچ۔ آر حامد نے بنایا ہے۔ کسی ہندو شاعر کا اتنا دیدہ زیب مجموعہ اس سے قبل شائع نہیں ہوا۔ اتنی خصوصیات کے باوجود مجموعے کی قیمت صرف سو روپیہ ہے جو بہت کم ہے۔ امید ہے کہ اربابِ علم و دانش اس کاوش کو نہ صرف قبول فرمائیں گے بلکہ شیو بہادر سنگھ دلبر کی صلاحیتوں کی خاطر خواہ پذیرائی بھی کریں گے۔

ںںںںںں

اخبارِ رضا

○ رضا اکیڈمی انٹرنیشنل، اسٹاک پورٹ، برطانیا نے ڈاکٹر محمد ہارون مرحوم کی ۴ انگریزی کتابوں کے اردو تراجم شائع کیے ہیں۔ (۱) اسلام اور سائنس کے حدود، مترجم: ابوالرضا گلزار حسین قادری رضوی (۲) اسلام اور عورت، مترجم: محمد اسمٰعیل (۳) قادیانیت کا علمی محاسبہ (۴) حزب التحریر کے بارے میں مسلمانوں کو انتباہ، مترجم: مقبول احمد۔ یہ تمام کتب ہندستان میں رضا اسلامک اکیڈمی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ۱۰۴، جسولی، بریلی شریف سے مل سکتی ہیں۔ ○ سُنّی تبلیغی جماعت باسنی، ضلع ناگور، راجستھان نے مفتی ولی محمد رضوی کی سوانح حیات "مفتی اعظم باسنی حیات اور کارنامے" تالیف: محمد اسرائیل شاداب شائع کی ہے۔ ○ بزمِ قاسمی برکاتی، ۱۱۴/ ۱۰۵ ار چمن گنج، کانپور (یوپی) نے علامہ مولانا نجم الدین قادری مصباحی کی تالیف "فقہی تجلّیاں" شائع کی ہے۔ ھدیہ: ۲۰ روپے ○ تحریکِ فکرِ رضا ۹۵، اَندریا اسٹریٹ، ٹنا گپاڑہ، ممبئی ۸ نے رسالۂ اعلیٰ حضرت "الصمصام علیٰ مشکک فی آیة علوم الارحام" کا انگریزی ترجمہ بنام "EMBRYOLOGY" مترجم: خورشید احمد سعیدی۔ خواہش مند حضرات اس پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

رضا تاثرات

☆ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، نگران مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

آج افکار رضا جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء آیا۔ مَیں دو ماہ سے بیمار ہوں۔ چند روز اسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد دو روز قبل گھر آیا۔ افکار رضا نے شاد کام کیا۔ ایک سو بیس صفحات پر مشتمل یہ مجلّہ بصد انداز رعنائی بصد تقریب زیبائی سامنے آیا۔ آپ نے افکار رضا کو نہایت ممتاز اور منفرد بنا دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے افکار کو جس انداز سے لا رہے ہیں اس کی مثال سارے ہندستان اور پاکستان میں نہیں ملتی۔ ایک بات جو سامنے آتی ہے وہ افکار رضا کا تنقیدی انداز بلکہ تنقید در تنقید کی روش ہے۔ ہمارے محقق اور نقاد جناب خورشید احمد سعیدی صاحب سارے افکار رضا پر سایہ فگن ہیں۔ مجھ کو یوں لگتا ہے جیسے آپ ہی چھائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑی محنت سے فتاویٰ رضویہ کو نقد و نظر کے ترازو سے تولا ہے۔ وہ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن سے بڑھ کر افکار رضا کے صفحات اور مقالات کو بھی نقد و نظر سے نوازتے جاتے ہیں۔ لفظ لفظ پر گرفت، حرف حرف پر تنقید۔ اب تو اُن کے نوکِ قلم نے تمام مقالہ نگاروں کو محتاط کر کے رکھ دیا ہے۔

نگاہ کے تیر سے گر بچ گیا شکار کوئی ۔۔۔ تو بڑھ کے زلف نے اُس کو اسیر دام کیا

ناقدانہ روش نے اب رضا ناموں کو بھی تنقیدی انداز دے دیا ہے۔ کسی زمانے میں بشیر حسین ناظم صاحب نے ''تضمین بر سلام رضا'' لکھی اور ''جہانِ رضا'' لاہور میں چھپی۔ پروفیسر منیر الحق کعبی نے اسے نشانۂ تنقید بنایا۔ آپ نے ایک مکمل کتاب لکھی۔ نہ صرف بشیر حسین ناظم کو بلکہ دنیائے رضویت کے بلند پایہ قلم کاروں کو نشانۂ تنقید بنایا۔ علامہ شمس بریلوی، مفتی محمد خان قادری، ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری اور دوسرے احباب کو کلامِ رضا کو بگاڑنے والوں میں شمار کر دیا۔ ان کی تنقیدی کتاب پر مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر نے تنقید در تنقید کرتے ہوئے ایک نہایت اہم کتاب شائع کی۔

کراچی میں صبیح رحمانی صاحب کا نعت رنگ آیا تو خطوط کے انداز میں علامہ کوکب نورانی کے قلم نے نعت رنگ کے مقالہ نگاروں کو اپنی اعتقادی ناقدانہ تحریروں سے ایک نیا انداز دیا۔ ان کی تنقید درست بھی تھی اور پریشان کن بھی۔ ''نعت رنگ'' کے مقالہ نگار محتاط ہو گئے اور اُن کے افکار و قلم نے پھونک پھونک کر قدم رکھنے شروع کر دیے۔ ''جامِ نور'' دہلی میں ''خامہ تلاشی'' کے عنوان سے مُتنی صاحب نے لطیف انداز میں قلم رانی کی۔ جو پسند بھی کی گئی اور مقبول بھی ہوئی۔

علامہ خورشید احمد سعیدی نے اس میدان میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کے قلم کے نشتر نے فتاویٰ رضویہ کا آپریشن ہی نہیں بلکہ پوسٹ مارٹم کر دیا۔ اگرچہ ان کے اس ناقدانہ انداز نے ناشرینِ فتاویٰ رضویہ کو پریشان کر دیا۔ مگر ان کی محنت، تحقیق اور گرفت نے ۔۔۔ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں!

کا نقشہ باندھ دیا۔ اب آپ کے افکار رضا کے صفحات پر محمد شریف رضا عطاری، پروفیسر فاروق احمد

صدیقی، سید محمد حسنی اشرفی مصباحی۔ پھر "رضا نامہ" میں علامہ محمد عبدالمبین نعمانی، ڈاکٹر صابر سنبھلی، خورشید احمد سعیدی نے اپنی تحریروں سے افکار رضا کو ایک نئے انداز سے نوازا ہے۔

مجھے آپ کے اداریہ پر ہدیۂ تحسین پیش کرنا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اسے "جہانِ رضا" میں شائع کروں۔ آپ کا سفر نامہ "میرے رضا کا پاکستان" کراچی کے اہل محبت کی محبتیں لے کر آیا۔ ابھی آپ مجلس رضا یا میرے دفتر میں جہاں مَیں نظریں بچھا کر چشم براہ تھا، آپ کے قدم رک گئے اور میرا نام لکھ کر۔ قلم ایں جا رسید و نوک شکست! میرے اشتیاق کو نمایاں کردیا۔ مَیں تین ماہ سے جہانِ رضا آپ تک نہیں پہنچا سکا۔ محکمۂ ڈاک نے آپ کے ایک پارسل پر جسے مَیں دو سو پچاس روپے محصول ڈاک لیا کرتا تھا چودہ سو روپیہ کا مطالبہ کردیا۔ اس طرح ہندستان کے وہ قارئین جو جہانِ رضا آپ کی وساطت سے حاصل کرتے تھے مایوس ہوگئے۔ اُن کے فون آئے۔ خط آئے۔ ای میل آئے۔ شکوے آئے۔ گلے آئے۔ مگر مَیں انہیں جواب نہ دے سکا۔ اب میرے ایک عزیز لکھنؤ جارہے ہیں ان کے ہاتھ ایک پارسل بھیج رہا ہوں۔ خدا کرے آپ تک پہنچ جائے۔ یہ خط بستر علالت سے بمشکل اُٹھ کر لکھ رہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

☆ **محمد صادق رضا مصباحی**، شعبۂ تصنیف و تالیف، المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

اب کی بار جب ہم نے افکار رضا (بابت ماہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء) کو مطالعے کی میز پر رکھا تو سرورق کے باکس میں مولانا لیٔس اختر مصباحی کے ایک مضمون کا اقتباس نظر آیا جو امام احمد رضا قدس سرہٗ کے "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" کے اسباب و نزول پر روشنی ڈال رہا ہے۔ لیکن یہاں وہی بات نظر آئی جس کا شکوہ ہم پچھلے تبصرے میں کرچکے ہیں یعنی حوالہ ندارد۔ ہوسکتا ہے کہ زبیر قادری صاحب کی اس میں کوئی "مصلحت" ہو۔ فہرست مضامین کے بعد محمد شریف رضا عطاری مضطرؔ "مدحت خیر الانام" لے کر اور قاری محمد مسلم غازی "وقتِ دعا ہے" کا نعرہ بلند کرکے قارئین کے مطالعے کی دہلیز پر حاضر ہیں۔ غازی صاحب کے اشعار ہمیں اچھے لگے۔ ان کے یہ شعری جذبات جہاں عصری حسیت سے مملو ہیں وہیں دینی و ملی درد کے آئینہ دار بھی ہیں۔

محمد زبیر قادری صاحب نے اس شمارے میں "کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گر ہے کہ نہیں" کے عنوان سے اداریہ تحریر کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اچھا اداریہ تحریر کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے داخلی و خارجی حالات پر چار صفحات میں بہت عمدہ بحث کی ہے اور مذہب و ملت کے قائدین کو اس سلسلہ میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اداریہ کا یہ اقتباس پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ "بات ساری جذبے کی ہے جو اب ہم میں نہیں رہا، اگر روح نہ ہو تو مردہ جسم ایک زندہ چیونٹی کے مقابلے کا نہیں۔ وہ جیسے چاہے اسے کاٹے۔ آج ہم جیسے مردہ بن گئے ہیں تو یہ چیونٹیاں ہمارا گوشت نوچ رہی ہیں۔ اگر روح پڑجائے تو ان چیونٹیوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ موجودہ نظام میں ہم دوسروں کو جینے دے سکتے ہیں لیکن طاقت ور فریق سے اپنے جینے کی گارنٹی نہیں مانگ سکتے۔ جب تک اس کا مفاد ہوگا وہ تمہیں زندہ رکھے گا ورنہ چیر پھاڑ کر کھا جائے گا۔ طاقت ور

کا مقابلہ سر اُٹھا کر حوصلے سے کیا جاتا ہے۔ سر جھکانے سے صرف ذلت اور موت ملتی ہے۔"

اب کی بار بھی خورشید احمد سعیدی صاحب فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۲۵ تا ۲۹ کے "بعض اصلاح طلب پہلو" لے کر آئے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی ان پانچوں جلدوں کے سمندر کی غواصی کر کے سعیدی صاحب نے جو اصلاح کے موتی برآمد کیے ہیں وہ ان جیسے شخص کے ہی بس کی بات ہے۔ ۲۴ر صفحات پر پھیلی ہوئی اصلاحات جہاں ان کی دقیق بین اور دماغ سوزی پر مہر لگاتی ہیں وہیں ان علمائے کرام کو بھی متوجہ کر رہی ہیں کہ جن کی زیر نگرانی فتاویٰ رضویہ طباعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ ان کی دقیق بینی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ بعض معمولی کمپوز شدہ خامیوں کو بھی انہوں نے غلط کی سواری پر بٹھا کر تصحیح کے راستے سے گزارا ہے۔ ہر جلد کی اصلاحات و اغلاط شمار کرنے سے پہلے جو تمہیدی کلمات تحریر کیے گئے ہیں ان میں یکسانیت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سعیدی صاحب نے ہر جلد کی اغلاط پر مشتمل الگ الگ مضمون لکھا ہوگا لیکن زبیر قادری صاحب نے ان سب کو ایک ساتھ شاملِ اشاعت کرلیا ہے۔ وادیٔ تحقیق کی آبلہ پائی کرتے کرتے دو چار مقامات پر سعیدی صاحب چوک بھی گئے جس کی وجہ سے کچھ تسامحات ان سے اس تحریر میں در آئے ہیں۔ صفحہ ۲۹ پر صحیح البخاری، کتاب الاذان کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے "باب ماجاء في الثوم والبصل" تحریر فرمایا ہے جب کہ اصل عبارت "باب ماجاء في الثوم النيّ والبصل" ہے۔ صفحہ ۳۰ پر بخاری شریف ہی کی کتاب المساقات، باب فضل سقی الماء کے حوالے کے ساتھ "کتاب المظالم والغصب" تحریر ہے حالانکہ صحیح عبارت یہ ہے "ابواب المظالم والقصاص"۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ سعیدی صاحب جب خود کو ان جیسے معمولی تسامحات سے دست و گریباں ہونے سے نہیں روک پاتے تو کیوں کمپوزنگ کی معمولی خامیوں کی وجہ سے مضمون نگاروں پر تیشۂ اصلاح لے کر دوڑ جاتے ہیں؟ بہر حال موصوف کی یہ کوشش لائق صد ستائش ہے۔ ان کو مبارک باد دی جانی چاہیے۔

محمد شریف رضا عطاری صاحب نے فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے ایک نئے عنوان پر مضمون لکھا ہے "فتاویٰ رضویہ اور مقفّٰی و مسجّع الفاظ کا خوب صورت التزام" کے عنوان سے ۱۴ر صفحات میں مضمون لکھ کر عطاری صاحب نے اس میں کیا کیا گل کاریاں کی ہیں یہ تو ہم بعد میں بتائیں گے لیکن اس سے پہلے ہم عطاری صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ تمہید کے اس جملے "تعریف رضا ہی تشہیر محبانِ رضا ہے" کے پردے میں قارئین کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ پھر دو چار سطروں کے بعد "لقب" کے مقام پر "ملقب" کا استعمال بھی محلِ نظر ہے۔ ایک مقام پر "مایہ ناز" کے بدلے "مایا ناز" ہوگیا ہے۔ شاید کمپوزنگ کی مہربانی سے، نیز انہوں نے مقفّٰی کی تعریف تو کردی لیکن مسجّع کی تعریف نہ کرسکے، پتہ نہیں کیوں؟

عطاری صاحب کے مضمون کو پڑھتے ہوئے اچانک سطح ذہن پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کے اس تبصرے کی یادیں جمع ہونے لگیں جو انہوں نے "جناب عبدالستار ہمدانی صاحب کی کتاب "حسان الہند اور فنِ شاعری" پر جامِ نور دہلی کے صفحات میں تحریر کیا تھا۔ اس کتاب کو ہمدانی صاحب نے عقیدت کے سمندر میں ڈبکیاں لگا کر تصنیف کیا ہے۔ عطاری صاحب کا یہ مضمون بھی عقیدت کے سایے میں بیٹھ کر لکھا گیا ہے۔ ایسے

ایسے الفاظ کو مقفّٰی و مسجّع بتایا گیا ہے کہ امام احمد رضا نے کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اس مضمون کے اکثر مندرجات مضحکہ خیز ہیں۔ جانب دار اور اردو کا اعلیٰ ذوق رکھنے والے جب اس کو پڑھیں گے تو کیا تاثر قائم کریں گے؟ اگر آپ اپنی ہنسی ضبط کر سکیں تو ایک دو اقتباس ضیافتِ طبع کے لیے حاضر ہیں:

''عورتوں کے لیے چھلّے وغیرہ جائز گہنوں کے نیچے کہ مالکیہ عفو کرتے ہیں۔'' (ص ۳۶)

''اور مُردے کو نہلانے یا اُٹھانے یا قبر کھودنے کی اُجرت لینے میں صورتیں ہیں۔'' (ص ۳۸)

''کچھ غیر رافضی، وہابی تفضیلی غیر مقلد وغیرہم بد مذہب ہیں کچھ وہ نئے بکھیڑے گمراہ ہیں۔ (ص ۳۸)

''۱) قابلہ ۲) غاسلہ ۳) نازلہ ۴) مریضہ ۵) مضطرہ ۶) حاجبہ ۷) مجاہدہ ۸) مسافرہ ۹) کاسبہ'' (ص ۴۲)

خط کشیدہ الفاظ کو ''مقفّٰی مسجّع'' محسوب کرنا ادبی خیانت نہیں تو اور کیا ہے کوئی مانے، نہ مانے یہ سچ ہے کہ اپنے لوگ اعلیٰ حضرت کو عقیدت کے زاویے سے زیادہ دیکھتے ہیں۔ اگر آج بھی عقیدت کے چراغ گل کر دیے جائیں اور حقیقت کو قبلہ بنا کر اعلیٰ حضرت کے افکار و تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ لوگ جو ہماری اندھی عقیدت مندی کی وجہ سے ہم سے کٹے سے رہتے ہیں وہ ہماری دعوت پر بہت جلد گوش بر آواز ہوں گے۔ عطاری صاحب! آپ نے جس چیز کو بنیاد بنا کر اعلیٰ حضرت کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں ایسی خوبیاں تو ہزاروں عام مضمون نگاروں میں بھی پائی جاتی ہیں بلکہ خود آپ کے اس مضمون میں بھی مثلاً تعریفانہ، توصیفانہ، قلم کاروں، واعظوں (ص ۳۲) کے حوالے سے ص ۳۳ وغیرہ تو کیا آپ کا کوئی ...... اسے مقفّٰی مسجّع کہہ سکتا ہے؟ ؎ چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر

اس بار زبیر قادری صاحب نے ''اہلِ علم کی خدمت میں تحفۂ کاظمی'' پیش کیا ہے۔ یہ ایک فتویٰ ہے جسے علامہ سید احمد کاظمی علیہ الرحمہ نے ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو تحریر فرمایا تھا۔ دنیا میں دو ایک ممالک ایسے ہیں جہاں گرمیوں کے موسم میں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا ہے یعنی غروب آفتاب کے بعد طلوع آفتاب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں وہاں کے مسلمان کیا کریں۔ اس سلسلہ میں کاظمی صاحب نے بڑا تحقیقی جواب عنایت فرمایا ہے اور وہاں کے مسلمانوں کو ان ایّام میں عشاء کی نماز قضا یا ادا کی نیت کے بغیر طلوعِ فجر کے بعد پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس فتویٰ میں کاظمی صاحب نے شامی کا حوالہ دیتے ہوئے تقریباً ۴ر صفحات پر عربی عبارت تحریر فرمائی ہیں۔ اس فتویٰ کو اگر جناب خلیل رانا صاحب پیش کرتے تو قارئین کے افادے کے لیے شاید عربی عبارات کا ترجمہ بھی کر دیتے۔ بہر حال فتویٰ اپنی جامعیت، افادیت اور معنویت کے اعتبار سے مسلّم ہے۔

''ایں رونعت است نہ صحراست'' کے عنوان پر جیسے ہی ہماری نظر پڑی تو ماضی کی ایک یاد فوراً یادوں کے جھروکے سے جھانکنے لگی کہ یہ عنوان تو ہمیں جانا پہچانا سا لگتا ہے۔ مضمون کا مطالعہ کرتے کرتے جب اختتام پر پہنچے تو نیچے یہ عبارت نظر آئی (بشکریہ: کتابی سلسلہ ''سفیرِ نعت'' شمارہ ۵، کراچی، پاکستان) تو ہم کو اطمینان ہو گیا کہ ہماری یاد نے خطا نہیں کی ہے۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی کا یہ مضمون اپنی جامعیت اور حسن نگارش کی وجہ سے بہت پسند آیا اور پھر فاروق صدیقی صاحب کا فرمودہ تو پسند آتا ہی ہے۔ اس مضمون کے آئینہ سے ان کی

علمیت اور تنقیدی بصیرت صاف جھلک رہی ہے۔ دنیائے نقد کے شہنشاہ پروفیسر کلیم الدین احمد جب ایوانِ تنقید میں گھس آتے ہیں تو بڑے بڑے تنقید نگاروں، نثر نگاروں اور شاعروں کو اپنی ''دستار فضیلت'' بچانا مشکل ہوجاتا ہے لیکن یہی کلیم الدین صاحب، فاروق صاحب کے سامنے کٹ گھرے میں کھڑے ہیں انہوں نے کلیم صاحب کے اعتراض کی عمارت کا اس طرح قلع قمع کیا ہے کہ اس کی دوبارہ تعمیر مشکل نظر آرہی ہے۔ سچ کہا گیا ہے قرآن میں۔ فوق کل ذی علم علیم (الآیۃ)

فاروق صاحب کے بعد عطاری صاحب پھر ہمارے سامنے ہیں۔ یہاں زیادہ نہیں صرف دو صفحات پر اپنے خیالات سمیٹنے میں کام یاب ہوگئے ہیں۔ ''شیخ ملّا جیون علیہ الرحمۃ الرضوان کی حیات و خدمات'' پر مشتمل یہ مضمون چھوٹا بلکہ بہت چھوٹا ہے۔ کتابی شکل میں ان کی حیات و خدمات کو سامنے لانا چاہیے۔ عطاری صاحب نے ثانوی ماخذ پر اعتبار کرتے ہوئے حضرت ملّا احمد جیون کی سنہ ولادت ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۱۸ء تحریر فرمائی ہے۔ جب کہ صحیح یہ ہے ولادت: ۱۰۴۷ھ/ ۱۶۳۷ء، وفات: ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء (الاعلام لخیر الدین الزِرِکلی) اور اگر شرح و حاشیے کے معنی میں لغوی یکسانیت کا لحاظ نہ کیا جائے تو عطاری صاحب سے ہم یہ عرض کردیں کہ ''قمر الاقمار''، ''نور الانوار'' کی شرح نہیں، حاشیہ ہے۔

باسنی، ناگور کے مفتی ولی محمد صاحب رضوی بھی اس بار افکار رضا کے اشاعتی سفر میں شامل ہیں اور حضور احسن العلما کی بے مثال شخصیت کے بارے میں اپنے مشاہدات قارئین کو بتارہے ہیں۔ ہم اُن سے اور بھی سننا چاہتے تھے لیکن وہ دو صفحوں کے بعد ہی رخصت ہوگئے۔

ادارہ ماہ نامہ سُنّی آواز ناگپور کی جانب سے ''مسلک اعلیٰ حضرت کی تائید و حمایت میں معتمد قدیم علمائے حیدر آباد دکن کا تاریخی فتویٰ'' ۷ر صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ جامعہ نظامیہ حیدر آباد کے موجودہ حالات اور علمائے دکن کی مذہبی صورت حال کے تناظر میں اس فتویٰ کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کو پمفلٹ کی شکل میں چھاپ کر حیدر آباد وغیرہ کے علاقہ میں بار بار تقسیم کرایا جائے۔ بار بار کی اشاعت سے ہوسکتا ہے کہ موجودہ احوال کچھ سابقہ معمولات پر پلٹ آئیں۔ اُس عہد کے جید علمائے کرام کی تصدیقات سے مزیّن یہ فتویٰ ان لوگوں کی فکر و روایت کے دامن کو چاک کررہا ہے جو آزاد خیالی کے عفریت کے ساتھ رقص کررہے ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کو مسلکِ اہل سُنّت و جماعت سے علاحدہ تصور کیے بیٹھے ہیں۔ اس فتویٰ میں ایک مقام پر ''عاطلاں'' ص ۸۶ کی جگہ ''علاطلاں'' ہوگیا ہے جو کسی دوسرے لفظ کا وہم پیدا کررہا ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ ہمارے محدود مطالعاتی سفر میں سید محمد حسینی اشرفی مصباحی کا مضمون ''اعلیٰ حضرت امام بریلوی اور اردو ادب'' ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ یہ مضمون کئی صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اردو زبان و ادب پر امام احمد رضا کی حذاقت و مہارت کا اعلان کرتی یہ تحریر دوبارہ شاید اس لیے شائع کی گئی ہے تاکہ اردو زبان و ادب کی ترقی کرنے والے بعض اردو ادبا یہ نوٹ کرلیں گے کہ دیگر علمی میدانوں میں اپنے فضل و کمال کا جھنڈا

نصب کرنے والے امام احمد رضا ملکِ سخن میں بھی اپنی شہنشاہیت کا سکہ چلا چکے ہیں۔ سید حسینی صاحب کی یہ تحریر بڑی قابلِ قدر ہے۔ قارئین کو معلومات وحقایق کے کئی گوشوں تک پہنچا دیتی ہے۔ اس عنوان پر اگر تفصیل سے لکھا جائے تو یقیناً اردو کا خطبہ پڑھنے والے اعلیٰ حضرت کی ادبی حیثیت کے گرویدہ ہو جائیں گے۔

ممبئی ہی سے کوئی شرافت حسین رضوی صاحب جو خیر سے ایم۔اے بھی ہیں اور نور الاسلام کالج گوونڈی سے وابستہ بھی، ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب اور جناب عبدالستار ہمدانی صاحب کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور ڈاکٹر "شرر مصباحی کے نام" ایک مضمون لکھ ڈالا گویا یہ ایک پیغام ہے جو "افکارِ رضا" کے توسط سے شرر مصباحی صاحب تک پہنچایا جا رہا ہے۔ دراصل اس مضمون کی محرک وہ "تلخ یادیں" ہیں جو ماہ نامہ جامِ نور، دہلی (اگست تا نومبر ۲۰۰۶ء) کے صفحات میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی اور ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کے الفاظ کے پیکر میں چھپی رہیں اور اب باہر نکل کر ان دونوں کا تعاقب کر رہی ہیں۔ ۱۴ر صفحات کے اس مضمون میں شرافت حسین صاحب نے ڈاکٹر شرر صاحب کے خلاف جس طرح سے تنقیدی محاذ قائم کیا ہے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں شرر صاحب ان "تلخ یادوں" کی دوسری قسط لے کر افکارِ رضا کے صفحات پر نہ آ دھمکیں۔ شرافت حسین صاحب نے شرر صاحب کے خلاف جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے بالکلیہ اتفاق نہیں کیا جا سکتا اور ڈاکٹر شرر نے ڈاکٹر صابر سنبھلی کے لیے جو کچھ لکھا اس کا رشتہ مثبت اور منفی سے کتنا کتنا ہے ہم اس پر گفتگو کر کے خواہ مخواہ اپنے تبصرے کو طول دینا نہیں چاہتے۔ لیکن محترم ہمدانی صاحب کی موافقت میں انہوں نے جس طرح شرر مصباحی صاحب پر اپنے قلم کا نزلہ اُتارا ہے وہ علم وحقیقت سے عدم واقفیت اور جانب داری پر مبنی ہے۔ اور پھر جس چیز کی بنا پر انہوں نے ہمدانی صاحب کو شرر صاحب کے سامنے زبر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ نہایت مضحکہ خیز ہے۔ شرافت صاحب! کون سا مصنف ہے جو اپنی نگارشات کو محنت سے ترتیب نہیں دیتا، محبت سے نہیں چھاپتا۔ اگر ہمدانی صاحب نے ایسا کیا تو اس میں ان کی کیا تخصیص ہے۔ شرافت صاحب! تاریخ کے صفحات پلٹیے، بڑے بڑے جلیل القدر محدثین، مفسرین اور علمائے کرام نے عظیم الشان اور لائق استناد و اعتماد کتابیں تصنیف فرمائیں لیکن ان کے معاصرین یا اخلاف نے ان کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا اور علمی وفکری جہتوں سے ان کی کاوشات کو نقد کے پٹرول سے دھویا۔ ہمارے اعلیٰ حضرت نے خود اسلاف کرام مثلاً علامہ شامی وغیرہ کی آرا کو تنقیدی و تحقیقی نقطۂ نظر سے جانچا اور پرکھا۔ تو کیا یہ حضرات (معاذ اللہ) ہماری تنقیدوں کا نشانہ بن سکتے ہیں؟ اس کے باوجود ہمدانی صاحب کی طباعتی، اشاعتی، رفاہی، سماجی، تصنیفی، تقریری اور مناظراتی خدمات کی دہائی دیتے ہوئے یہ کہنا کہ "اب پھر شرر صاحب نے اس تازہ تحریر میں ہمدانی صاحب سمیت کئی اہلِ علم کو نشانہ بنایا ہے جو سب کے سب بلحاظ علم وفن، فکر ونظر، نقد وادب، عہدہ ومنصب ، اثر ورسوخ ، دینی وسماجی حیثیت ، خدمتِ علم وفن اور اشاعتِ مذہب وملت میں شرر صاحب سے قطعاً پیچھے نہیں بلکہ آگے اور اہم ہیں" کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ خصوصاً خط کشیدہ لفظوں پر تو ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "حسان الہند اور فنِ شاعری" پر ڈاکٹر شرر

صاحب نے جس طرح تنقیدی تبصرہ رقم کیا ہے وہ بالکل بجا ہے۔ اگر نہیں تو اب تک اس کا ردِ عمل سامنے کیوں نہ آیا۔ ہمدانی صاحب عقیدت کے سیلاب میں ایسے بہے ہیں کہ کیچڑ اعلیٰ حضرت کے دامن پر آ رہی ہے۔ حقیقت اور غیر جانب داری کی معیت میں اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو میرے اس دعویٰ کی تصدیق ضرور کریں گے۔ ؎ ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرف دار نہیں

لیکن اس سے پہلے کہ ہماری یہ گفتگو پایۂ تکمیل تک پہنچے شرافت صاحب سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مضمون میں ''اہم و مہم'' اور ''ریت وروش'' کو اپنی تنقیدی نظر سے جانچ لیں۔

تبصرۂ کتب کے کالم میں پھر شرافت رضا عطاری صاحب سے ملاقات ہوئی لیکن یہاں وہ مضمون نگار کی حیثیت سے نہیں جائزہ نگار کی حیثیت سے ہیں۔ جناب طاہر سلطانی صاحب کی کتاب ''عاشقِ رسول امام احمد رضا'' پر اُن کا یہ تبصرہ ۴ر صفحات پر مکمل ہوگیا ہے۔ دوسرے تبصرہ نگار محترم ڈاکٹر محمد اشرف انصاری ہیں جو مولانا ارشاد احمد مصباحی ساحلؔ صاحب کی مرتب کردہ کتاب ''مقالاتِ شارح بخاری جلد اوّل'' پر ۳ر صفحات کا تبصرہ لے کر آئے ہیں۔ تبصرہ نگار ایک مقام پر رقم طراز ہیں: ''......اور حیرت ہے کہ یہ کارنامہ چار علما کی ٹیم نے مل کر انجام دیا ہے جو اہلِ سُنّت کی مرکزی درس گاہ کے فاضل اساتذہ ہیں'' یہ چار فاضل اساتذہ کون ہیں؟ ناموں کی نشان دہی ہونا چاہیے۔ ''مقالاتِ شارح بخاری'' میں ان کے ناموں کا اندراج ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں ہے تو کیا ضروری ہے کہ یہ چاروں مرکزی درس گاہ ہی کے فاضل اساتذہ ہیں۔

''میرے رضا کا پاکستان'' کا جیسے جیسے مطالعہ ہوتا رہا زبیر قادری صاحب کے ساتھ ہم بھی تصور میں پاکستان کی سیر کرتے رہے۔ یہ ان کے سفرنامے کی چوتھی قسط ہے۔ سابقہ شمارے میں کمپیوٹر آپریٹر کی مہربانی سے ''قسط سوم'' کی جگہ ''قسط دوم'' شائع ہوگیا تھا۔ اس قسط سے معلوم ہوا کہ پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب کے خلاف اکابر علما نے ضال و مضل کا فتویٰ جاری کردیا ہے۔ بقول زبیر قادری ''بتایا جاتا ہے کہ یہ حضرت باطل قوتوں کے ایجنٹ بن گئے ہیں۔'' اگر ایسا ہے تو یہ نہایت افسوس ناک اور قابلِ مذمت بات ہے۔

''رضا نامے'' کا کالم عموماً ہر شمارے میں سب سے طویل ہوتا ہے۔ بہت دنوں بعد محسنِ اہلِ سُنّت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ نے اس کالم کو زینت بخشی ہے۔ ماہ اپریل تا جون ۲۰۰۶ء کے شمارے پر موصوف نے تقریباً ۳ر صفحات کا تبصرہ رقم فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے علما کے ہمزہ کے تعلق سے ایک بار پھر قلم سنبھالا ہے اور اپنے اس ''رضا نامے'' میں علما وغیرہ کے ہمزہ کے سلسلہ میں خورشید احمد سعیدی صاحب کے اعتراض کے جواب میں ایسے سوالات ٹانک دیے ہیں جو انہیں سوچنے پر مجبور کردیں گے۔ اُن کا یہ پورا ''رضا نامہ'' سعیدی صاحب ہی کے اردگرد سانس لے رہا ہے۔ یہ احقر محمد صادق رضا مصباحی پچھلے دو شماروں سے برابر ''افکار رضا'' کی مجلسِ اشاعت میں حاضری کا شرف حاصل کرتا رہا ہے۔ اس شمارے میں بھی زبیر قادری صاحب کی مہربانی سے اس کے سایے میں بیٹھنے کی جگہ ملی ہے۔ یہ ایک

تنقیدی تبصرہ ہے جو ۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ہم نے کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے یہ تو سعیدی صاحب ہی بتائیں گے۔ تاہم سعیدی صاحب کے موقف کے خلاف ہم نے جو اردو کے نام ور مستندین و معتمدین اساتذۂ سخن کی آرا پیش کی ہیں سعیدی صاحب کے قلم سے ان کے جوابات کا ہمیں شدید انتظار ہے۔

سعیدی صاحب کے تبصرے طویل ہوتے ہیں لیکن اس شمارے میں اپنی سابقہ روایت کے خلاف بہت قلم روک کر تبصرہ فرمایا ہے اور تقریباً ۶ر صفحات ہی میں اپنی بات سمیٹ لی ہے۔ ان میں سے ۲ر صفحات تو انہوں نے ہمارے ہی نظریہ کے خلاف صرف کر دیے ہیں۔ ہم سعیدی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے تبصرے کو "مناسب" کہہ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ نمبر ۹ کے ذیل میں انہوں نے جو ہماری فروگذاشت پر تصحیح فرمائی ہے ہم اسے بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ لیکن اس کے سوا آگے کے مندرجات میں اردو کے خلاف ان کے غیر معمولی منفی رویے سے ہم بالکل اتفاق نہیں کرتے۔ ایسا لگتا ہے کہ سعیدی صاحب بڑے ضدی اور اڑیل قسم کے آدمی ہیں۔ اردو کے خلاف اب وہ اس حد تک آگئے ہیں کہ وہ محبتِ رسول کی دہائی دینے لگے۔ سعیدی صاحب! اپنے ضمیر کا دروازہ کھول کر جھانک کر پوچھیے کہ کیا اردو زبان کی تائید و حمایت سے عربی زبان سے نفرت اور محبتِ رسول کی نفی لازم آتی ہے؟ آپ جیسے شخص سے ایسی امید قطعی نہ تھی کہ جو اس جیسی طفلانہ گفتگو کر کے زبردستی اپنے موقف کو ثابت کرے۔ ذرا ان کا یہ جملہ دیکھیے: "ایسا لگتا ہے کہ انہیں (محمد صادق رضا مصباحی) نبی کریم، قرآن کریم اور اہلِ جنت کی زبان عربی سے اتنی محبت اور ہمدردی نہیں ہے جتنی اردو زبان سے ہے۔ ورنہ وہ توازن برقرار رکھتے۔" (ص ۱۱۵) ان کی یہ عبارت پڑھنے کے بعد ہم سوچ اور فکر کی گہرائیوں میں اترتے چلے گئے کہ کیا ہم نے اردو کی تائید کر کے کوئی بہت بڑا جرم کر دیا ہے؟ ہندستان کے وہ ہزاروں اہلِ ایمان جو اردو کی تائید و حمایت کرتے رہے یا کرتے ہیں کیا ان کو بھی "زبانِ عربی سے اتنی محبت اور ہمدردی نہیں ہے جتنی اردو زبان سے ہے؟" سعیدی صاحب! ایک بار پھر اپنی اس عبارت پر غور فرما لیجیے کہ کہیں اس کی ضرب اہم شخصیات پر تو نہیں پڑ رہی ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ سعیدی صاحب اپنے موقف کو مضبوط دلائل سے ثابت نہ کر سکے تو عربی زبان، جنت اور محبتِ رسول کا آئینہ لے کر ہمارے نظریے کی جانچ پڑتال کرنے لگے۔ موصوف نے اپنے موقف کی حمایت میں امام احمد رضا کا حوالہ تو بڑے طمطراق سے پیش فرما دیا اور راقم الحروف پر بڑے طنطنہ سے یہ وار بھی کر دیا "ہاں! مگر اس قلب و نظر کا کیا علاج جو علمائے حق مثلاً اعلیٰ حضرت کی اتباع کے بجائے فقط اردو ادب کی اتباع کو ترجیح دے؟؟؟" مگر انہیں امام احمد رضا کی ہی تحریر کردہ یہ عبارت نظر نہ آئی۔ اعلیٰ حضرت ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ "الجواب: صدہا الفاظ عربی ہیں کہ اردو میں غیر معنی عربی مستعمل ہیں ان معنی کو قاموس میں تلاش کرنا حماقت ہے بلکہ اردو کے اہلِ زبان سے دریافت کرنا چاہیے، ذوق مرحوم اس زبان کے مسلّم استاد تھے۔" (منقول از فتاویٰ رضویہ) سعیدی صاحب! کیا آپ کے خامہ میں اتنی جرأت ہے کہ وہ اس

مقام پر یہ تحریر کرنے کی جسارت کرسکے"......... انہیں (مصنفِ فتاویٰ رضویہ) نبی کریم، قرآن کریم اور اہلِ جنت کی زبانِ عربی سے اتنی محبت اور ہمدردی نہیں جتنی اردو زبان سے ہے......" (نعوذ باللہ من ذالک)

اردو زبان کے سلسلہ میں امام احمد رضا کے اس مسلّم اور واجب الاتباع فیصلے کے بعد یقین ہے کہ سعیدی صاحب کے ترکشِ معلومات کے تیر بے کار ہوچکے ہوں گے ۔ اس سے شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے موقف سے رجوع کرنے کی توفیق دے۔ اور ہاں اس شمارے میں شامل سید محمد حسینی صاحب کے مضمون "اعلیٰ حضرت امام بریلوی اور اردو ادب" کا مطالعہ بار بار ضرور کرلیجیے گا۔ وہ ان شاء اللہ ضرور آپ کی غلط فہمی کے لیے مزیل ثابت ہوگا۔ سعیدی صاحب! خیر سے آپ مفتی نہیں ہیں ورنہ آپ کے قلم سے "فندق، بستن باعث اجر وثواب ہست......" جیسے فتاویٰ ضرور تحریر ہوجاتے۔ رہ گئی بات بہارِ شریعت کی تو سچ ہے اسے "حضرت (صدرالشریعہ) نے خود اپنے اہتمام سے شائع فرمایا تھا" لیکن آپ کا یہ کہنا کہ "کیا صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے بہارِ شریعت کی کمپوزنگ کی آخری تصحیح کے بعد پریس میں جانے سے پہلے اس کے ایک ایک لفظ پر خود غور فرمالیا تھا" کتنا مضحک ہے۔ ہم نے تو کمپوزنگ کی بات ہی نہیں کی تو پھر اس کا ذکر کیوں آگیا۔ اس زمانہ میں کمپوزنگ نہیں کتابت ہوتی تھی اور یہ کتابت شدہ ہی حضرت کے اہتمام میں شائع ہوئی تھی۔ اگر یہ میرا دعویٰ قابلِ استناد نہیں ہے تو نہ ہو لیکن کیا حضرت نعمانی صاحب قبلہ کا یہ فرمانا "یوں ہی 'بہارِ شریعت' جو صدرالشریعہ نے خود اپنے اہتمام سے چھپوائی اس میں جگہ جگہ ان الفاظ کو بغیر ہمزہ ہی لکھا" (ص ۱۰۲) بھی لائقِ اعتماد نہیں ہے۔ سعیدی صاحب! معاف کیجیے گفتگو کچھ طویل ہوگئی۔ بہرحال ہم حضرت نعمانی صاحب، ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب اور راقم الحروف کے مندرجات پر آپ کے ردِّعمل کا شدّت سے انتظار کررہے ہیں۔

لیجیے آخری کڑی کے طور پر پھر وہی پرانا چہرہ جس کو ہم بار بار دیکھ کر تھک چکے ہیں شاید قارئین بھی یعنی کراچی، پاکستان کے شریف رضا عطاری صاحب۔ ۲ر صفحے کا یہ اُن کا رضا نامہ بہتر ہے لیکن مکتوب نگاری کرتے کرتے دو ایک جگہ معمولی چوٹ بھی کھا بیٹھے۔ پہلی ہی سطر میں "بمع" کا استعمال کردیا "مع" کے ساتھ "بہ" کا استعمال کس لیے ہے؟ اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: "غلطیوں کے متعلق میرا نظریہ واضح کردینا چاہتا ہوں" خط کشیدہ مقام پر "اپنا نظریہ" ہونا چاہیے۔

☆ **غلام مصطفیٰ قادری رضوی، باسنی، ناگور شریف، راجستھان**

"افکارِ رضا" ممبئی کا تازہ شمارہ بابت جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء اپنی متنوع خوبیوں کے ساتھ تشریف لایا، رضویات پر برق رفتاری سے آگے بڑھنے والا ادارہ "تحریکِ فکرِ رضا" کی علمی اور ادبی خدمات کا اکابر علما و مشائخ اور معروف ادبا وفضلا میں اب محبت بھرا تذکرہ ہورہا ہے۔ فضل ربیٰ عنایتِ مصطفوی اور فیضانِ صالحین کے سائے میں جن مقاصد حسنہ کو لے کر آپ اور آپ کے نوجوان رفقا میدانِ عمل میں آئے تھے بحمدہ تعالیٰ بتدریج ان میں کامیابی حاصل کرتے جارہے ہیں۔ نت نئے کارنامے انجام دے کر ادارہ نے جہانِ سنیت میں

اہم مقام حاصل کرلیا ہے۔ آپ کی صدائے حق پر سنجیدہ افراد نے لبیک کہا، آگے بڑھے اور فکرِ رضا کی ترسیل و ترویج میں آپ کے شانہ بشانہ چل کر کام کرتے رہے۔ مسلسل بارہ سال سے "افکار رضا" ہی کے ذریعے نہیں بلکہ کئی ایک چھوٹی بڑی کتابیں رسائل اور پمفلٹس شائع کر کے حیات و خدماتِ امام احمد رضا حنفی قادری کے جدید گوشوں کو بین الاقوامی سطح پر پہنچانے کی قابل قدر ولائق تحسین کاوش کی ہے۔ یہ آپ کے مخلصانہ جذبات کی روشن دلیل ہے بلاریب امام موصوف کی ذات و کارناموں پر کام کرنے والے سعادت مند ہوتے ہیں اور ان کی غیب سے مدد ہوتی ہے۔ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

تازہ شمارہ میں حسب سابق سبھی مشمولات معلومات افزا ہیں بطور خاص آپ کی ادارتی تحریر فکر انگریز اور انقلابی ہے۔ معاندین اسلام آج پوری تیاری کے ساتھ اسلام و مسلمین پر حملہ آور ہیں۔ اپنے گمراہ کن افکار و نظریات اور جھوٹے پروپیگنڈوں کا سہارا لے کر اسلام کو بدنام کرنے کے درپے ہیں۔ ان کے فکری حملوں سے ہم پر مضطربانہ کیفیت طاری ہورہی ہے۔ اسلام کی بے مثال تعلیمات سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کر کے نوجوان نسل کے ذہن و دماغ کو زہر آلود کیا جارہا ہے ایسے عالم رستاخیز میں ضرورت اس بات کی ہے کہ علمی بصیرت و بصارت اور گہری فکر کے حامل علما و داعیانِ دین قوم مسلم کو جس طریقہ سے اسلامی تعلیمات کی طرف راغب کریں اور نئی نسل کے قلوب و اذہان میں فکری تبدیلی لانے کی جدوجہد کریں۔ آپ کی یہ تحریر جس میں صدق وصفا کا طنطنہ اور خلوص و جذبۂ صالحہ کارفرما ہے قوم مسلم کو بیدار کرنے والی اور ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے والی ہے۔ خدا کرے اپنی قوم کو با مقصد زندگی سے ہم کنار کرنے میں آپ بھی بامراد و کامیاب ہوتے رہیں۔ اس طرح کی تحریریں آپ کے فیض یافتہ قلم سے ہر شمارے میں آئیں تو بہتر ہے۔ اللھم زد فزد۔

فکر صالح کے حامل محترم خورشید احمد سعیدی صاحب فتاویٰ رضویہ سے متعلق جو تحریر میں افکار رضا میں پیش کررہے ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کرنا ضروری ہے ان کا یہ مضمون گرانقدر بھی ہے اور غلطیوں کے ازالے کی طرف راغب کرنے والا بھی۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم اکابر علما کی کتب علمی کو اچھے انداز میں تصحیح کتابت کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر پہنچائیں۔ تاکہ مخالفین کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔

حضور غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کی تحریریں تبرکات کی حیثیت رکھتی ہیں اور افکار رضا کے حسن میں چار چاند لگاتی ہیں۔ اس بار ان کی علمی اور تحقیقی نگارشات سے ارباب علم وفضل خوب مستفید ہوئے ہوں گے۔ ہر بار ان کے علمی تبرکات سے ہمیں استفادہ کا موقع دلائیں تو کرم ہوگا۔ تازہ شمارہ میں میرے محترم خلیل احمد رانا نظر نہیں آئے۔ ان کی علمی تحریریں ہر ماہ آنی چاہییں۔

اس بار رسالہ میں افکار امام احمد رضا سے متعلق کافی مضامین ہیں اس طرح یہ ایک مرغزار رضویت بن گیا جس میں کئی پرندے نغمہ سرا ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے۔ ع

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

دعوتِ اسلامی کا ۳/ روزہ بین الاقوامی سُنّتوں بھرا اجتماع

ملتان (اسٹاف رپورٹر): دعوتِ اسلامی کے زیرِ اہتمام سنتوں بھرا عالمی اجتماع کل ۱۷/ نومبر کو شروع ہوگا۔ اجتماع ۳/ روزہ ۱۷، ۱۸ اور ۱۹ نومبر تک جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔ ملک بھر کے کئی شہروں سے شامیانے، قنات، دریوں وغیرہ کے ٹرک ملتان پہنچ چکے ہیں۔ وضو اور طہارت وغیرہ کے وسیع انتظامات کیے گئے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیا کے سیکڑوں اسٹال لگائے گئے ہیں۔ میپکو کی طرف سے بجلی کے انتظامات وسیع پیمانے پر کیے گئے ہیں۔ بجلی فیل ہونے کی صورت میں جنریٹرز کا متبادل انتظام کیا گیا ہے۔ اجتماع گاہ میں مواصلات کی جدید سہولتیں فراہم کی گئی ہیں جس میں پی سی اوز جیسی دیگر سہولیات شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اجتماع گاہ میں کئی ڈسپنسریاں قائم کی گئی ہیں اور محکمۂ صحت کی طرف سے اجتماع گاہ میں ۴ مقامات پر عارضی ہسپتال قائم کیے گئے ہیں۔ ایمرجنسی کے لیے ایمبولینس گاڑیاں موجود رہیں گی۔ ڈینگی وائرس اور ملیریا سے بچاؤ کے لیے اسپرے کے انتظامات کیے گئے ہیں۔ خواتین کے لیے کرکٹ سٹیڈیم قلعہ کہنہ ملتان میں اجتماع کی براہِ راست نشریات سننے کے لیے علیٰحدہ انتظامات کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان بھر میں اسلامی بہنوں کے لیے مختلف شہروں میں سیکڑوں جگہوں پر باپردہ اجتماعات میں ٹیلی فونک بیان و دعا نشر کی جائے گی۔ محکمۂ ریلوے نے خصوصی ٹرینوں کا انتظام کیا ہے۔ ملک کی مشہور شخصیات جن میں وزیرِ اعظم، چیئرمین سینٹ، صدر، اسپیکر صوبائی اسمبلی، وفاقی اور صوبائی وزراء، اراکین صوبائی اور قومی اسمبلی، سیاسی و سماجی شخصیات کو دعوت دی جا چکی ہے۔ خصوصی آلات کے ذریعے حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں جن میں میٹل ڈیٹکٹرز، واک تھرو گیٹ اور سکیورٹی کیمرے وغیرہ شامل ہیں۔ اجتماع کی پوری کاروائی بذریعہ انٹرنیٹ دعوتِ اسلامی کی ویب سائٹ www.dawateislami.net کے ذریعے بھی سُنی جا سکتی ہے۔ اجتماع کا آغاز ۱۷/ نومبر کی نمازِ جمعہ کے بعد ہوگا۔ اجتماع کے بعد تین دن، بارہ دن، تیس دن، بیانوے دن اور بارہ ماہ کے لیے سفر پر روانہ ہوں گے۔ اجتماع کے اختتام پر لوگوں کی شرعی، روحانی اور تنظیمی تربیت کے لیے مدنی تربیتی کورس (۶۳ دن)، قافلہ کورس (۴۱ دن) اور خصوصی اسلامی بھائیوں (گونگے، بہرے) کا (اشاروں کی زبان میں) ۴۱ دن کے کورس شروع ہوں گے۔ محکمۂ ریلوے نے دعوتِ اسلامی کے اجتماع کے لیے پچ اسٹیشن کو عارضی طور پر کھول دیا ہے۔ ریلوے نے یہ اسٹیشن بند کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں متعدد ٹرینیں گھنٹوں تاخیر سے ملتان آئیں۔

(آن لائن روزنامہ جنگ، ۱۶/ نومبر ۲۰۰۶ء)

دعوتِ اسلامی کا ۳/ روزہ بین الاقوامی سنتوں بھرا اجتماع صحرائے مدینہ میں شروع ہوگیا

ملتان (اسٹاف رپورٹر): دعوتِ اسلامی کے زیرِ اہتمام ۳/ روزہ بین الاقوامی سنتوں بھرا اجتماع جمعۃ المبارک کے روز ملتان میں شیر شاہ بائی پاس کے قریب صحرائے مدینہ میں شروع ہوگیا۔ پہلے روز ذکرِ رسول ﷺ کی محافل ہوئیں۔ مبلغین نے ایمان افروز بیان کیے۔ بھائی چارے کے فروغ پر زور دیا گیا۔ فضا درود و سلام سے گونجتی رہی۔ نمازِ جمعہ کے

اجتماع میں ملتہ کے اتحاد، کشمیر، افغانستان، عراق، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا کی آزادی کے لیے گڑگڑا کر دعائیں مانگی گئیں۔ پہلے روز لاکھوں عاشقانِ رسول ﷺ نے شرکت کی۔ آج بعد نماز عشاء مولانا الیاس قادری خطاب کریں گے۔ تفصیلات کے مطابق دعوت اسلامی کے اجتماع کا آغاز جمعہ کے روز ڈیڑھ بجے دن تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ حمد و نعت کے بعد پہلا خصوصی بیان ہوا۔ آداب و فضائل خطبہ جمعۃ المبارک کے بعد ۲:۳۰ پر نماز جمعہ پڑھایا گیا۔ ۴:۱۰ پر نماز عصر ادا کی گئی۔ ۴:۲۰ پر دوسرا اور ۴:۵۰ پر تیسرا سُنّتوں بھرا اصلاحی بیان ہوا۔ ۵:۲۵ پر نماز مغرب سورۃ الملک کی تلاوت کے بعد کھانا کھانے کے آداب اور سُنّتوں کا درس ہوا۔ ۷:۱۵ پر نماز عشاء اور صلوٰۃ توبہ ادا کرنے کے بعد تربیتی حلقے لگائے گئے۔ شرکا کو سُنّت اور دعائیں یاد کرائی گئی۔ ۷:۴۰ پر احترام مسلم کے موضوع پر تفصیلی بیان ہوا۔ پہلے دن کی خصوصی نشست کا آغاز ۸:۱۰ پر پنجابی میں خصوصی بیان ہوا۔ ۹:۴۰ پر مدنی انعامات پر عمل کرنے کے لیے فکر مدینہ کے تربیتی حلقے لگائے گئے۔ سونے جاگنے کی سُنّتوں کے درس کے بعد صلوٰۃ وسلام اور پھر سونے کا وقفہ ہوا۔ آج بروز ہفتہ اجتماع کے دوسرے روز کا آغاز نماز تہجد ۴:۳۰ پر ہوا۔ تہجد کے بعد جامعۃ المدینہ کے مفتی عالم دین نے درسِ قرآن دیا۔ درسِ قرآن کے بعد ۶:۰۰ نماز فجر ادا کی گئی۔ نماز کے بعد درسِ حدیث اور نماز اشراق و چاشت ادا کی گئی۔ ۸:۴۵ پر دوسری دن کی دوسری نشست کا آغاز ہوگا اور دن بھر بیانات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ دعوت اسلامی کے امیر مولانا الیاس قادری کا خصوصی خطاب آج دوسرے روز بعد نماز عشاء ہوگا جب کہ نماز عصر کے بعد دعوت اسلامی پاکستان کابینہ کے نگران الحاج علامہ محمد شاہد عطاری کا بیان ہوگا۔ دوسری طرف اجتماع میں شرکت کے لیے بڑی تعداد میں قافلوں میں آمد جاری ہے۔ شرکا نے مزارات پر حاضری بھی دی۔ شرکائے اجتماع کی سہولت و رہنمائی کے لیے ملتان بھر استقبالیہ مکاتب (چوراہوں) پر لگائے گئے۔ اجتماع میں کسی بھی ایمرجنسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے سخت انتظامات کیے گئے ہیں۔ اجتماعی دعا اتوار کے روز ہوگی۔ جس میں اہم شخصیات کی شرکت متوقع ہے۔ این این آئی کے مطابق پہلی نشست میں عالم اسلام میں مسلم دنیا کو اسلامی تہذیب اکیسویں صدی کے چیلنجوں سے نمٹنے کے موضوعات پر بیانات ہوئے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لیے دعائیں کیں اور اس اجتماع میں مسلمانوں میں اتحاد، بھائی چارے کو فروغ دینے پر زور دیا گیا۔ دریں اثنا بہاولپور سے مدنی قافلے اجتماع میں شرکت کے لیے پہنچ گئے۔ خانقاہ شریف سے ۱۰۰ بسوں کے قافلے، ہیڈ راجکاں یزمان اور بہاولپور سے ۱۵۰ بسوں کے قافلے اجتماع میں شرکت کر رہے ہیں۔ بہاولپور میں اسلامی بہنوں کے لیے خصوصی بیان بروز اتوار صبح ۹:۱۵ فیضانِ مدینہ مرکز دعوت اسلامی ملتان روڈ بہاولپور میں انتظام کیا گیا ہے۔

(آن لائن روزنامہ "جنگ" ۱۸ رنومبر ۲۰۰۶ء)

سُنّتوں بھرے اجتماع کا دوسرا دن - اصلاحی و فکری بیانات، رقت آمیز مناظر

ملتان: دعوت اسلامی کے زیر اہتمام منعقدہ سنتوں بھرے عالمی اجتماع کے دوسرے روز مختلف اصلاحی و فکری مجالس اور محافل ہوئیں اور بیانات ہوئے۔ اس دوران رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ سندھی، بلوچ، پشتو اور انگریزی زبانوں میں بیانات ہوئے۔ تربیتی حلقوں کے لیے ترغیب دلائی گئی اور تربیتی حلقے لگائے بھی گئے جن میں نماز کی

ادائیگی کا صحیح طریقہ سکھایا گیا اور کھانے، پینے، سونے اور دیگر معمولاتِ زندگی کے بارے میں سنّتِ نبوی ﷺ طریقے بتائے گئے۔ محفلِ نعت بھی ہوئی اور مولانا الیاس قادری نے خصوصی بیان فرمایا۔ اشراق و چاشت کی نمازیں ادا کی گئیں۔ فیضانِ سُنّت سے درس دیا گیا۔ اجتماع میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی کامران اکمل، شاہد نذیر، سلیم نیازی، فیصل اقبال، شعیب ملک، عمران فرحت اور دیگر نے بھی شرکت کی۔ آج اجتماع کا آخری روز ہے جس میں خصوصی دعائیں کی جائیں گی اور کارروائی کی نشریات ریڈیو اور ٹیلی فون پر جاری کی جائیں گی۔ اور خواتین کے لیے علیحدہ باپردہ انتظامات کیے گئے ہیں۔ فلسفۂ توبہ، نفس اور شیطان پر خصوصی نشست ہوگی اور مدنی فکر کی محفل بھی ہوگی۔

(آن لائن روزنامہ جنگ، ۱۹ر نومبر ۲۰۰۶ء)

دعوتِ اسلامی کا تین روزہ اجتماع ختم، اجتماعی دعا میں رقت آمیز مناظر

ملتان (جنگ نیوز): دعوتِ اسلامی کا تین روزہ اجتماع اتوار کو ختم ہوگیا۔ لاکھوں افراد نے اجتماعی دعا میں شرکت کی۔ مولانا الیاس قادری نے دعا کی۔ دعوتِ اسلامی کے ذرائع نے شرکا کی تعداد ۲۲ر لاکھ بتائی ہے۔ حاجی شاہد عطاری نے اپنے خطاب میں تصورِ مدینہ کا تذکرہ کیا اور اسلام اور مسلمانوں کے استحکام کے لیے امت مسلمہ کو اتحاد و یگانگت، رواداری قائم کرنے کو کہا۔ مولانا عمران عطاری نے مسلم دنیا کو درپیش چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے اخوت اور بھائی چارہ قائم کرنے کی بات کی۔ تحریک کے قائد مولانا الیاس قادری نے اپنے ٹیلیفونک خطاب میں مسلمانوں پر زور دیا کہ اسلام کی روح کو پروان چڑھایا جائے۔ ہر مسلمان اپنے فرض اور قول و فعل کو بہتر بنائے۔ معاشرہ میں تیزی سے اسلامی اسلوب کو پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ خواتین کی بڑی تعداد اجتماعی دعا میں شریک تھی، ان کے لیے باپردہ جگہ بنائی گئی تھی۔

(آن لائن روزنامہ جنگ، ۲۰ر نومبر ۲۰۰۶ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سُنّی دعوتِ اسلامی کا عالمی سُنّی اجتماع

(۱، ۲ اور ۳ دسمبر ۲۰۰۶ء)

آزاد میدان: یہاں جاری سنی دعوتِ اسلامی کے سہ روزہ اجتماع کے دوسرے دن مضافات اور دور دراز علاقوں سے شرکا کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ دریں اثنا سٹیج کو اپنے خطاب میں علما کرام نے کہا کہ اسلام ایک ایسا آفاقی مذہب ہے جس میں انسانیت کی فلاح وکامیابی مضمر ہے اور اس کا ہر اصول انسانیت کی فلاح پر دلالت کرتا ہے۔ آج اسلام پر کیچڑ اچھالا جارہا ہے اور اسے بدنام کرنے کی طرح طرح کی کوششیں کی جارہی ہیں جب کہ اگر گہرائی اور تعصب سے پرے رہ کر اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام تیروں، تلواروں اور نیزوں کے زور پر نہیں بلکہ اخلاق کے ذریعہ پھیلا ہے۔ سرکار دو جہاں ﷺ نے اعلیٰ اخلاق کا وہ نمونہ پیش کیا ہے کہ قیامت تک اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر رہے گی۔

اس موقع پر جہاں اہل ایمان کی کثرت اور نمازوں کی ادائیگی و درود پاک کی کثرت سے ماحول پُر کیف ہو گیا وہیں نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی صداؤں سے آزاد میدان گونج اُٹھا۔ اس دوران حفاظت کے طور پر اعلیٰ پولیس افسران نے حالات کا جائزہ لیا اور دیگر پولیس اہل کار بھی سادہ لباس میں میدان میں چکر لگا رہے تھے اور تمام دروازوں پر پولس اہل کار حفاظت اور سامان کی تلاشی میں مصروف تھے۔ یاد رہے کہ صدر دروازے پر ایس آر پی کے جوانوں کو بھی تعینات کیا گیا ہے۔

اسلام اخلاق حمیدہ سے پھیلا ہے: مولانا شمس الدین نے 'اسلام اور اخلاق' کے موضوع پر سامعین سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ ''حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بلند پایہ اخلاق سے ہندوستان میں اسلام کا پرچم بلند کیا۔ آج مسلمانوں اور اسلام پر یہ بہتان تراشیاں کی جاری ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔...... مولانا نے صحابیٔ رسول، مصر کے گورنر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہا کہ ''انسان کو صرف اتنا کھانا چاہیے جو اس کو صرف قبر تک پہنچا دے یعنی بقدر ضرورت دنیا سے تعلق رکھے۔''

مولانا منصور علی قادری نے اپنے پُر مغز خطاب میں فرمایا کہ ''عمل و کردار کی درستگی کے لیے خود کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالا جائے۔'' مفتی اعظم ہند نے ایک موقع پر فرمایا کہ ''داڑھی منڈانے والا اسلام کی نظر میں ایسا ہی مجرم ہے جیسا کہ مسجد کا مینار شہید کرنے والا۔ مینار مسجد کی نشانی ہے اور داڑھی مسلمان کی نشانی ہے۔''

مفتی محمد شبیر (شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ روناہی) نے انتہائی مدلل انداز میں سرکار دو عالم ﷺ کی عظمت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ''خداوند عالم نے آپ کو دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ نے اپنے اخلاق و افعال سے کائنات انسانی کو وہ درس دیا جس کی روشنی میں اہل دنیا قیامت تک رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔''

مولانا قمر الزماں خان اعظمی (جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن) نے 'عقیدۂ آخرت' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''کلام مقدس کا ایک تہائی حصہ عقیدۂ آخرت (بعد الموت) اور جزا و سزا پر مشتمل ہے۔ فکرِ آخرت انسان کو ہر گناہ، ظلم اور بے حیائی سے بچالیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت کی فکر رکھنے والا کبھی انحراف کا راستہ نہیں اختیار کر سکتا کیونکہ اس کے سامنے ہمیشہ خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا ہوتا ہے۔''

مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ ''آخرت پر یقین کا تصور انسان کو ایک متوازن اور باوقار زندگی عطا کرتا ہے۔ وہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حقوق غصب نہیں کرتا ہے بلکہ وہ انسانوں سے محبت کرتا ہے کسی سے نفرت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ کائنات کی ہر مخلوق کو وہ اللہ کی مخلوق سمجھتا ہے۔ اللہ رب العزت نے خود فرمایا ہے کہ ''پوری کائنات اللہ کا کنبہ'' ہے۔''

مولانا ظہیر الدین خان نے 'صراط مستقیم' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''سرور انبیا ﷺ نے ہمیں سیدھے راستے کی رہنمائی فرمادی ہے اس لیے اب ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم کوئی نیا راستہ تلاش کریں۔''

مولانا محمد شاکر نوری نے کہا کہ ''اے مسلمانو! اپنی ذہنی روش بدلو اور سچے پکے مومن بنو۔ اللہ تمہیں عزت کا حق دار بنادے گا اس لیے کہ اس کا فرمان ہے کہ عزت اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے۔ ضرورت

اس بات کی ہے کہ ہم کامل مومن بنیں، دلوں میں اللہ کا ڈر پیدا کریں اور سرکار مدینہ کی محبت سے سینے کو لبریز کریں۔"

آج قرآن کریم کی تلاوت و ترجمہ اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ نعت پیش کرنے کے بعد فجر کی نماز سے مردوں کے اجتماع کا آغاز ہوا اور علما کرام کے خطابات شروع ہوئے۔ اسی دوران نماز، غسل، وضو اور دیگر ضروری مسائل بھی سکھائے اور بتائے گئے۔ قاری محمد رضوان نے ترجمہ کنزالایمان کی انفرادیت اور اس کی خصوصیت پر روشنی ڈالی۔ مفتی نظام الدین (الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) نے شرکا کی جانب سے پوچھے جانے والے سوالات کے جوابات دیئے۔

واضح رہے کہ اتوار کو علما کرام کے بیانات اور خصوصی خطابات کے بعد دعا پر اس سنی دعوتِ اسلامی کے سہ روزہ اجتماع کا اختتام ہوگا۔

(روز نامہ "انقلاب" ممبئی اتوار ۳ر دسمبر ۲۰۰۶ء)

"اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا"

سنی دعوت اسلامی کے زیر اہتمام وادئ نور (آزاد میدان) میں ہونے والے روح پرور اجتماع کے دوسرے روز آج ذکر و اذکار سے گونج اُٹھا۔ ممبئی، تھانے اور مہاراشٹر کے مختلف علاقوں، نیز ملک و بیرون ممالک سے آج جوق در جوق مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔ پولس نے آج اجتماع کے لیے اپنے سخت انتظامات جاری رکھے اور سامان کی تلاشیاں جاری رکھیں۔

آج "اسلام اور اخلاق" کے موضوع پر عوام سے خطاب کرتے ہوئے مولانا شمس الدین نے کہا کہ مسلمان خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی زندگی بسر کریں۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اسلام کا پرچم بلند کیا۔ انہوں نے اس الزام کو سراسر غلط قرار دیا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ انہوں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ جو کہ مصر کے گورنر تھے کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ آپ مصر کے گورنر تھے پھر بھی جب ان کے گھر کا جائزہ لیا گیا تو گھر میں ٹوٹا ہوا پیالہ، پھٹا پرانا بستر اور کچھ روکھی سوکھی روٹیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملا۔ آپ کا قول ہے کہ انسان کو صرف اتنا کھانا چاہیے جو اس کو صرف قبر تک پہنچادے۔"

بعد ازیں مولانا منصور علی خان نے مسلک اعلیٰ حضرت سے متعلق تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت نے سنّت کو عام کرنے میں کافی جدوجہد کی۔ بعد نماز مغرب جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے تحریک کے قائد مولانا شاکر نوری (امیر سنّی دعوت اسلامی) نے کہا کہ آج انسان عزت پانے کے لیے دردر بھٹکتا ہے لیکن اسے عزت و ذلت مالکِ حقیقی یعنی اللہ عزوجل ہی عطا کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی انسان جھوٹی شان وشوکت کے پیچھے بھاگ کر اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم مالک حقیقی سے مانگنے کے بجائے دوسروں کے دروازے کے چکر کاٹتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیں اسی جگہ سے کچھ مل جائے لیکن یہاں اسے صرف اور صرف ذلّت و رسوائی ہی میسر ہوتی ہے۔ انہوں نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت دیدے جسے چاہے ذلیل اور رسوا کردے یہ تو اس کے اختیار میں ہے۔ مولانا شاکر نوری نے مسلمانوں کو تلقین کرتے ہوئے کہا کہ قرآن و

سُنّت کے پابند بنو اور سچے پکے مسلمان بنو تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں عزت کا حقدار بنا دے گا۔ ساتھ ہی ساتھ مولانا موصوف نے رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے دلوں میں منور کرنے کی بھی تلقین کی۔ مولانا قاری ظہیرالدین نے ''صراطِ مستقیم'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ نے مومنین کو سیدھا راستہ بتا دیا ہے تو اب کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم کوئی نیا راستہ تلاش کریں۔ حضور ﷺ نے مکمل طور سے مسلمانوں کو جینے اور ہر میدان میں کامیابی سے متعلق طریقہ کار بتایا ہے اس پر چلنے سے کامیابی کی بلندیوں پر پہنچ جائے گا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حضور ﷺ کی سُنتوں کے پابند بن جائیں اور آپ ﷺ کے طریقے پر زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری علامہ قمرالزماں خان اعظمی نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آخرت پر عقیدہ اسلام کا جزو ہے یہ عقیدہ بعد الموت جزا اور سزا پر مشتمل ہے۔ مولانا نے مرنے کے بعد مٹی سے دوبارہ انسانوں کو اُٹھائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ قرآن عظیم نے مختلف عقلی اور مشاہداتی دلائل سے بعد الموت کے عقیدے کی وضاحت کی۔ قرآن کی بیشتر آیات اس اہم عقیدے کی ضمانت دیتی ہیں۔ مولانا موصوف نے مزید کہا.....
''عقیدۂ آخرت انسان کو ہر گناہ ہر ظلم اور بے حیائی سے بچالیتا ہے۔ آخرت پر یقین کرنے والا انسان انحراف کا راستہ اختیار نہیں کرسکتا اس کے سامنے ہمیشہ آخرت اور اس کا انجام ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی، حساب کتاب، جزا و سزا کا تصور مسلمان کو متوازی اور باوقار زندگی عطا کرتا ہے اور دوسروں کے حقوق کو ادا کرنے والا بناتا ہے۔'' موصوف نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''پوری کائنات اللہ کا کنبہ ہے۔'' حالاتِ حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے کہا کہ ''خواہشات'' کی تکمیل کے لیے انسان ایک دوسرے پر ظلم و ستم کرتا ہے، دوسروں کا مال غصب کرتا ہے اس لیے انسانوں کے دلوں میں آخرت کا ڈر نہایت ہی ضروری ہے۔ جس سے وہ گناہ کرنے سے رک جاتا ہے اور دوسرے کے حقوق ادا کرنے والا بن جاتا ہے۔''

(روزنامہ ''راشٹر سہارا'' ممبئی اتوار ۳ر دسمبر ۲۰۰۶ء)

آزاد میدان: یہاں سنی دعوتِ اسلامی کے سہ روزہ اجتماع کے آخری دن مبلغین اور علما کرام نے فرمایا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور نبی آخرالزماں ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہمہ وقت یہی کوشش فرمائی کہ ہر شخص جنت کا راہی بن جائے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم برائیوں سے پرہیز کرتے ہوئے اللہ کے احکام اور شریعت مصطفوی ﷺ کے مطابق زندگی گزاریں تاکہ مرنے کے بعد ہم اس انعام کے مستحق بن سکیں جس کا وعدہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔ اس دوران شرکا کو احکامِ شریعت بھی سکھائے گئے اور حج کے فضائل اور اس کے تعلق سے بھی معلومات فراہم کی گئیں۔ اتوار کو اس اجتماع کا اختتام رقت آمیز دعا پر عمل میں آیا۔

مولانا محمد شاکر نوری (امیر سنی دعوتِ اسلامی) نے فرمایا کہ ''حضور سرور عالم ﷺ کا ہم سب پر اتنا بڑا احسان ہے کہ آپ نے اللہ عزوجل کی پہچان کروائی ورنہ ہماری پیشانی نہ معلوم کن کن جگہوں پر ٹکتی۔ حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس بات کی شاہد ہے کہ آپ کو ہمہ وقت صرف انسانیت کی کامیابی اور اس کے جنت کا راہی بننے کی فکر رہتی تھی۔

حدیث کے حوالہ سے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نوری نے کہا کہ "میزانِ عدل قائم ہوگا اور حضور ﷺ کے ایک اُمتی کا عمل وزن کیا جارہا ہوگا۔ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے جہنم میں پھینکنے کا حکم ہو جائے گا۔ سرکار علیہ السلام اپنے اُمتی کو جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھ کر فرشتے سے کہیں گے کہ اسے دوبارہ میزانِ عدل پر لے چلو اور وہاں آقا اپنی آستین سے ایک پرچہ اپنے اُمتی کے نیک عمل میں ڈال دیں گے جس سے اس کا وزن بڑھ جائے گا اور وہ جنت میں داخلہ کا مستحق ہو جائے گا۔ جنت میں جاتے وقت وہ گنہگار پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ تو سرکار فرمائیں گے کہ مَیں وہی ہوں جس پر تو دنیا میں درود پاک پڑھا کرتا تھا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا رُخ حضور کی شریعت اور آپ ﷺ کے طریقے کی جانب موڑیں۔"

مولانا قمرالزماں خان اعظمی (جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن) نے اللہ کی صفت رحمٰن ورحیم پر علمی روشنی بکھیرتے ہوئے فرمایا کہ "اسلام رحم وکرم اور احسان ومحبت کا مذہب ہے اور وہ انسان تو دور جانوروں اور درختوں تک پر ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ 'تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا'۔

مولانا نے یہ بھی کہا کہ حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا گیا کہ "خداوند قدوس کی رحمت کے ۱۰۰ر حصے ہیں ان میں سے ایک حصہ خدا نے پوری کائنات کو عطا فرمایا ہے جس سے ماں اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے، حتیٰ کہ جانور بھی اپنے بچوں کو غذا فراہم کرتے ہیں۔ بقیہ ۹۹ر حصے اس نے قیامت کے دن اپنے بندوں کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمانے کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔"

قاری محمد رضوان نے حج کے فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ "یہ ایک مالی عبادت ہے اور اس عبادت کے بعد بندہ ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔"

دریں اثنا عصر کی نماز سے قبل مفتی نظام الدین (الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) نے پوچھے گئے مسائل کے جوابات دیئے۔

اس سے قبل اجتماع کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں نعت پاک کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عمل میں آیا۔ اجتماع کا اختتام ڈاکٹر سید امین میاں مارہروی کی رقت آمیز دعا پر ہوا جس میں آپ نے اتحاد واتفاق اور ملک میں امن وامان کے لیے خصوصی دعا کی اور ناصحانہ کلمات بھی ارشاد فرمائے۔

اختتام کے اجتماع کے وقت کثیر تعداد میں اہل ایمان موجود تھے جو مضافات کے علاوہ راجستھان، پونے، ناسک، گجرات اور دیگر علاقوں سے تشریف لائے تھے۔

(روزنامہ "انقلاب" ممبئی، پیر ۴ر دسمبر ۲۰۰۶ء)

حضور ﷺ ساری امت اور ساری کائنات کے لیے رحمت ہیں

ممبئی ۳ دسمبر (ایس این بی) سُنّی دعوت اسلامی نے روح پرور اجتماع کے آخری روز آج وادیٔ نور آزاد میدان میں مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن رہا۔ وقفہ وقفہ سے نعرۂ تکبیر ونعرۂ رسالت کی گونج سے دلوں میں اللہ کا خوف بیٹھتا رہا اور صراط مستقیم پر چلنے کا عزم پروان چڑھتا رہا۔ بعد نماز مغرب علما کرام کی تقاریر وخطابات سے

مسلمانانِ شہر و بیرون شہر فیضیاب ہوئے۔ اجتماع کے اختتام پر عالم اسلام میں امن و امان کے لیے خصوصی دعائیں کی گئیں۔ جس میں ملک و بیرون ملک کے بھی مندوبین شامل تھے۔

شب کی تاریکی میں گڑگڑا کر عالم اسلام کے لیے مانگی جانے والی دعاؤں پر ایک ساتھ لاکھوں لبوں سے ادا ہونے والا لفظ ''آمین'' دل و دماغ کو مسحور کرتا رہا۔ شب کی تاریکی میں مسلمانوں کے قلب اسلامی تعلیمات کی روشنی سے لبریز ہوتے رہے۔ قبل ازیں اجتماع کی ابتدا میں سوالات اور جوابات کا سلسلہ شروع ہوا اور مومنین نے سوالات لکھ کر مفتی نظام الدین کو روانہ کیا۔ مفتی نظام الدین نے ان سوالات کے تشفی بخش جوابات دیے۔ بعد نماز عصر سنّی دعوت اسلامی کے روح رواں مولانا شاکر نوری نے جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ ہم گنہگاروں اور سیاہ کاروں سے آزادی کا پروانہ طلب کرتے رہے۔ حضور ﷺ ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت العالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو روئے زمین پر بھیج کر تمام انسانوں پر احسان کیا ہے جب کوئی شخص کسی کا فائدہ کرتا ہے تو اس میں اس کا مفاد شامل ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ کی ذات نے اُمت پر احسان فرما کر رحمت سے کوئی لالچ نہیں رکھی۔ آپ ﷺ اپنی اُمت سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری مولانا قمر الزماں خان اعظمی نے سورہ فاتحہ میں الرحمٰن الرحیم کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسلام رحم و کرم اور احسان و محبت کا مذہب ہے۔ اسلام اللہ کی کسی مخلوق پر حتیٰ کہ جانوروں اور درختوں پر بھی ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات پر مہربان، انتہائی رحم فرمانے والا ہے اس لیے اس کی مرضی یہ ہے کہ اللہ کے بندے بھی ایک دوسرے پر رحم کریں۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ زمین والوں پر تم رحم کرو آسمانوں کا خالق تم پر رحم کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ پیغمبر اسلام آپ ﷺ نے حالتِ جنگ میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جانوروں پر ہاتھ اُٹھانے سے منع فرمایا۔ حتیٰ کہ درختوں کو کاٹنے سے بھی منع کیا۔ مولانا نے مزید کہا کہ یہ اعمال موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوئے۔ مثلاً بھوکے کو کھانا کھلانا، بے لباس کو لباس پہنانا، پیاسے کو پانی پلانا وغیرہ وغیرہ۔ جس کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ خطاب کے دوران ''وادیٔ نور'' نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت سے گونجتا رہا۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے کثیر تعداد میں مسلم اکثریتی علاقوں بھنڈی بازار، ناگپاڑہ، پائیدھونی، کرلا، ممبرا اور تھانہ و مہاراشٹر کے دیگر اضلاع سے مومنین نے شرکت کی۔ نماز عشاء کے بعد دعا کا سلسلہ شروع ہوا پورے آزاد میدان میں اندھیرا سا چھا گیا تمام بجلی منقطع کر دی گئی اور علما کرام نے روتے بلکتے، گڑگڑاتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں دعائیں کیں۔ سید معین میاں اشرف نے امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور عالم اسلام بالخصوص ممبئی و اطراف کے علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے کی دعائیں کی۔ اس کے ساتھ ہی سہ روزہ پرنور اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

(روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' ممبئی پیر ۴ دسمبر ۲۰۰۶ء)

تحریک فکر رضا

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماء اہل سنت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکر رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکر رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار ہوگا۔

AFKAR-E-RAZA (URDU QUARTERLY)
95, Undria Street, Chowki Mohalla, Mumbai - 400 008. E-mail : editor@fikreraza.net

If Undelivered Please return to: M. ISHAQ 45/A, Memonwada Road, 2/6, Mumbai - 400003.